مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۵۰/روپے۔ فی شمارہ ۱۵/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۰۰/روپے

پاکستان میں سالانہ ۲۵۰/روپے رجسٹرڈ ڈاک ۴۰۰/روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ۵۰۰/روپے رجسٹرڈ ڈاک ۷۰۰/روپے

نوٹ: (ہندوستانی روپے کے حساب سے رقم قبول کی جائے گی۔)

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

حافظ سجاد الٰہی ۲۷ اے، مال گودام روڈ، لوہا مارکیٹ، بادامی باغ، لاہور، پنجاب (پاکستان)

Mobile: 3004682752 ----- Phone: (009242) 7280916 5863609

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع اسی ماہ کی آخری تاریخ تک دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۸۱ ماہ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ مطابق ماہ فروری ۲۰۰۸ء عدد ۲

فہرست مضامین

مقالات

آثار علمیہ و تاریخیہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ای میل : email : shibli_academy@rediffmail.com

ویب سائٹ : www.shibliacademy.org

شذرات

حج اسلام کا رکن اعظم اور جامع العبادات ہے، اسلام کے دوسرے ارکان وعبادات میں بعض میں جسمانی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں اور بعض میں مال کا خرچ ہوتا ہے لیکن حج میں جسمانی مشقتیں بھی ہوتی ہیں اور مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے، اس طرح اس میں تمام عبادات کی حقیقت اور روح پائی جاتی ہے، نماز بیت اللہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جاتی ہے، جو دنیا کی تمام مسجدوں کا مرکز ہے اور جس کی بنا و تعمیر نماز قائم کرنے ہی کے لیے ہوئی ہے اور جس کی نسبت ہی سے تمام مسجدوں کو مسجد ہونے کا شرف ملا ہے، اس لیے ہر مسلمان بے قرار رہتا ہے کہ جس گھر کی طرف رخ کر کے وہ ہمیشہ نماز پڑھتا رہا ہے اس میں بھی جا کر نماز پڑھے، طواف نماز کی ایک قسم ہے، جس کو ادا کرنے کی سعادت خانہ کعبہ ہی میں ملتی ہے جب لوگ بیت اللہ کے گرد پروانوں کی طرح چکر لگاتے ہیں تو سخت سے سخت دل بھی موم ہو جاتا ہے اور وہ بے اختیار گڑگڑا کر دعا و التجا کرنے لگتا ہے، حج کی جامعیت میں زکوۃ کی حقیقت کا شامل ہونا بالکل واضح ہے، صحت وقوت اور سامان سفر اس کے لیے شرط ہے، روزے کی اصل روح بھی حج میں موجود ہے، احرام کی پابندیاں کم ہی مدت کے لیے سہی مگر بعض حیثیتوں سے وہ روزے سے بھی زیادہ سخت ہیں اور روزے سے کہیں زیادہ اس میں زہد و درویشی کی شان پائی جاتی ہے۔

ہجرت وجہاد کے مواقع کم آتے ہیں، لیکن وقت آنے پر ان کی اہمیت تمام عبادتوں سے بڑھ جاتی ہے، یہ دونوں عبادتیں بھی حج کی جامعیت میں پائی جاتی ہیں، ہجرت فرار الی اللہ کا نام ہے، اس میں آدمی شیطان کے پھیلائے ہوئے جال سے بھاگ کر خدائے رحمان کی پناہ میں آتا ہے، وہ خدا کی رضا اور خوش نودی کے لیے اپنا گھر، اپنا وطن، اپنے عزیز و اقارب اور ہر طرح کے مفادات چھوڑ کر ایک محدود مدت کے لیے حج میں جاتا ہے اور فسق و فجور اور گناہوں سے تائب ہونے کا پختہ عزم کر کے مہاجر بن جاتا ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مہاجر وہ ہے جو منہیات و محرمات کو ترک کر دے، رہا جہاد تو اس کی روح حج میں پوری طرح رچی بسی ہوئی ہے، حج کرنے والا ایک مجاہد اور خدا کے سپاہی کی طرح خانہ بدوش ایک محاذ سے دوسرے محاذ پر جانے کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتا ہے، حج کے خاص ایام میں اس کا سامان سفر ہر آن بندھا رہتا ہے، اس کے قیام و کوچ اور شد رحال کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے، مکہ سے منیٰ، منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے پھر منیٰ اور منیٰ سے پھر مکہ ہر حال میں موت و حیات سے بے پروا ہو کر پہنچنا ضروری ہوتا

ہے اور منیٰ میں رمی جمرات بھی مناسک حج کا جز ولاینفک ہے، جو سرتاسر مشق جہاد ہے، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے دشمنوں اور خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے ارادے سے آنے والوں پر لعنت اور سنگ باری کی ایک عظیم یادگار ہے، حج کی ان خصوصیات کی بنا پر آں حضرت ﷺ نے اس کو عورتوں کا جہاد کہا بھی ہے۔

حج اور بیت اللہ کے سلسلے کے جن معنوی اور روحانی حقایق کو سن اور پڑھ کر لوگ بہت کچھ جانتے ہیں لیکن ان کو سمجھتے نہیں ہیں، حج میں جا کر ان کو محسوس کر لیتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں کہ یہ ملت ابراہیمی کے شعائر اور عظیم الشان یادگاریں ہیں، حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ کے زمانے تک کی تاریخ و آثار کی تمام جزئیات ان کے مشاہدے میں آجاتی ہیں، خانہ کعبہ کی تعمیر، مقام ابراہیم، حضرت ابراہیم کی ولد صالح کی طلب و التجا، نبی امی اور امت مسلمہ کی بعثت کی دعا اور خدا کے حکم سے اپنے لخت جگر کی قربانی کا واقعہ ان کی نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں کے واقعات و آثار، دین حق کی راہ میں شرائط جھیلنا، ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام، جنگ و جہاد کے کارنامے اور قرن اول کے واقعات کا نقش ذہن پر ثبت ہو جاتا ہے، خانہ کعبہ کو چھو کر اور بوسہ دے کر جب وہ اپنے عہد اطاعت کی تجدید کرتے ہیں تو یہ گویا اپنے سارے گناہوں سے تائب ہو جانے کے عزم کا اظہار ہوتا ہے، حج اپنی اس نوعیت کے اعتبار سے تمام روحانی بیماریوں کے لیے ایک اکسیر ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے حج کیا اور اس کے دوران میں معاصی سے بچا رہا تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح اس دن ہوتا ہے جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں آج کل کی طرح اعلان واشتہار کے ذرائع نہیں تھے مگر ان کی صدائے توحید دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچ گئی اور خدا کے اس حکم کی تصدیق ہو گئی کہ تم حج کا اعلان کرو تو لوگ تمہارے پاس پیادہ آئیں گے اور لاغر اونٹنیوں پر جو دور دراز گہرے پہاڑی راستوں سے آئیں گی آج بھی اسی پر خلوص اعلان کی بنا پر مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کی ساری خلقت امنڈ پڑتی ہے، حج کا یہ عالم گیر اجتماع امت مسلمہ کے مختلف طبقوں اور گروہوں کی وحدت اور یک رنگی کا عظیم الشان مظہر ہے، قوم و وطن، رنگ و نسل، جنس، زبان، لباس، ذوق و مزاج یہاں تک کہ نماز کی بعض ظاہری صورتوں میں بھی اختلاف کے باوجود سب کی زبانوں پر لبیک لبیک کی صدائیں اور احرام کی چادریں سب کے جسموں پر ہوتی ہیں اور سب اللہ کے گھر پر نثار اور ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں، اختلاف میں وحدت کا یہ منظر حج کے ساتھ

مخصوص ہے اور اس کی کوئی مثال دوسرے مذاہب میں معدوم ہے۔

حج کی یہی خصوصیات مسلمانوں کو آمادہ کرتی ہیں کہ وہ یہ فریضہ پورے شوق و ذوق سے ادا کریں، بیت اللہ کی زیارت و طواف کے لیے بے چین رہیں اور گوناگوں مشقتیں جھیل کر ارض حرم پر پہنچیں، ان کے ان والہانہ جذبات کی قدر غیر مسلم بھی کرتے ہیں اور مسلم ممالک کی طرح یورپ، امریکہ اور دوسرے غیر مسلم ممالک بھی انہیں اللہ کے مقدس گھر تک لے جانے اور وہاں سے واپس لانے کے لیے امکان بھر سہولتیں مہیا کرتے ہیں، سعودی حکومت بھی قابل ستایش ہے کہ وہ ان کے قیام و آسایش کا بہتر سے بہتر انتظام کرتی ہے لیکن ہمارے ملک کے ایک طبقے کی نظر میں مسلمان کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہیں، وہ ان کی دل آزاری اور ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، اس کے ظلم و زیادتی کے واقعات آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں، اب وہ حج جیسی مقدس عبادت میں بھی رخنہ اندازی کرنے لگا ہے، اور حجاج اسے مشکوک اور دہشت گرد دکھائی دینے لگے ہیں، اس طبقے کے لوگ حکومت کے بڑے اور چھوٹے منصبوں پر فائز ہیں اور وہ اپنے اپنے دائرے میں مسلمانوں کی ضرر رسانی کا سامان کر رہے ہیں، اس سال ایئر انڈیا کے حکام اور آفیسرز نے حاجیوں کو جس قدر بے رحمی سے تنگ کیا اور پریشان کیا، ناظرین اس کی تفصیل اخباروں میں پڑھ چکے ہیں اس کا اعادہ غیر ضروری ہے، مرکزی اور ریاستی حج کمیٹیوں کی کارستانی اس پر مستزاد تھی، حجاج کے لیے خرید و فروخت ممنوع نہیں مگر مقررہ وزن سے زیادہ سامان نہیں ہونا چاہیے، کھجور اور زمزم ضرور لائیں مگر دوسری چیزیں جو نہ وہاں کی پیداوار ہیں اور نہ وہاں تیار ہوتی ہیں اور ہر جگہ وہاں سے ارزاں مل جاتی ہیں، ان کو لانے سے کیا فائدہ؟ سعودی عربیہ کے دوکان دار کھانے اور حجاج کی ضرورت کی چیزیں گراں کر دیتے ہیں اور بسوں اور گاڑیوں کے کرایے میں بھی کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے، سعودی حکومت ان لوگوں کو حاجیوں کے استحصال سے باز رکھے۔

آہ کس دل سے اور کس قلم سے ناظرین معارف کو خبر دی جائے کہ ان شذرات کے پاک نفس اور پاک طینت لکھنے والے کے قلم کی ضیا پاشیوں سے وہ محروم ہو گئے ہیں، مدیر معارف اور ناظم دار المصنفین مولانا ضیاء الدین اصلاحی اب مرحوم ہیں، یکم فروری کو وہ سڑک کے ایک حادثہ میں سخت مجروح ہوئے اور ۲؍ فروری کی صبح اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اناللہ، آئندہ شمارے میں انشاء اللہ مولانا مرحوم پر مفصل مضمون آئے گا۔

مقالات

محمود تیمور (۱۸۹۴-۱۹۷۳) کی زبان اور ان کے اسلوب کی خصوصیت

از:- پروفیسر محمد راشد ندوی☆

عرصہ ہوا میں نے ایک مضمون عربی میں "أسرة تیمور وأثرها فی تطویر الثقافة العربیة وآدابها" لکھا تھا، یہ مضمون "البعث الاسلامی" لکھنؤ میں شائع ہوا تھا، اس کے بعد جدید دور کی اہم شخصیتوں جنہوں نے جدید افسانہ اور ناول نگاری کو آگے بڑھانے اور ان کو اعلا درجے تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا ہے، مثلاً توفیق الحکیم، نجیب محفوظ، محمد حسین ہیکل، یحیٰ حقی، کامل حسین وغیرہ کے بارے میں تفصیلی تعارف اردو اور عربی میں لکھے جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے اردو اور عربی کے رسالوں میں شائع ہوتے رہے، ان مقالوں میں میں نے صاحب فن کی شخصیت، اس کا مزاج، عالمی ادب کا اس کا مطالعے اور دنیا کے اعلا درجہ کے اصحاب فن اور ادیبوں سے اس کے استفادے کی نوعیت دکھانے کی کوشش کی ہے، اس کا بنیادی مقصد یہ دکھانا تھا کہ ان لوگوں نے جدید عربی ادب اور فن کو دنیا کے اعلا ادب و فن سے کہاں تک ہم کنار کیا ہے، کیوں کہ اگر کسی اہل فن کی ذہنی اور فکری سطح مقامی اور وقتی ہے تو اس کے فن و ادب کو کبھی اعلا مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔

ادھر مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ عربی نے جدید روایت نگاری پر ایک سمینار منعقد کیا اور مجھ سے بھی مقالہ پیش کرنے کی خواہش کی تو اتفاق سے مجھے محمود تیمور کے مقالات کا ایک مجموعہ

☆سابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

دست یاب ہوا، "ملامح و غضون صور خاطفه لشخصيات لامعة" اتفاق سے
اس میں ایک مضمون ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بھی شامل تھا جو دراصل ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی وہ تقریر ہے، جس
میں انہوں نے محمود تیمور کا خیر مقدم کیا ہے جب وہ قاہرہ کی المجمع العلمی العربی کے ممبر منتخب ہوئے
تھے، اس وقت طٰہٰ حسین مصر کے وزیر تعلیم بھی تھے اور ان کی زبان وادب کا سکہ مصر ہی نہیں بلکہ
دنیائے عرب میں رائج تھا، ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور محمود تیمور کے درمیان اچھے تعلقات تھے اور دونوں
ایک دوسرے کو قدر ومحبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور دونوں ہر موقع پر ایک دوسرے کی تعریف و
توصیف میں رطب اللسان تھے، ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی تقریر نے میرے اندر گدگدی پیدا کی یا یوں
کہوں کہ میرے اندر جو اس خاندان سے لگاؤ تھا یا محبت تھی اس کو انہوں نے ابھار دیا اور ان کے
بارے میں میرے اندر لکھنے کا شوق اور ولولہ پیدا کیا، میں محمود تیمور کے چند ناولوں کا پہلے مطالعہ
کر چکا تھا، یہاں شعبہ میں ان کی اور بھی کتابیں دست یاب ہوئیں اور ان کے بارے میں کچھ
اور لوگوں نے بھی لکھا ہے، وہ سب بھی مجھے ملے، اسی طرح محمود تیمور کی زبان وادب کے سلسلے
میں رائے قائم کرنے میں مجھے بڑی مدد ملی، ان کے فکر وفن کے بارے میں مقالہ لکھنا تو بہت
مشکل ہے کیوں کہ ان کی نگارشات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے اور ان کا قلم پچاس ساٹھ سال سے
رواں دواں ہے، اس لیے ان کا احاطہ ناممکن ہے۔

چنانچہ میں نے ان کی زبان وبیان اور ان کے اسلوب کی خصوصیات پر گفتگو کرنا
مناسب سمجھا، کیوں کہ اس سے صاحب فن کی عام خصوصیات اور اس کے ذہنی وفکری اتار چڑھاؤ
کی تصویر بھی سامنے آجائے گی اور ان کو سمجھنے میں آسانی ہوگی، اس کے بعد اتفاق سے انور
الجندی کی کتاب "قصۃ محمود تیمور" دست یاب ہوئی، اس میں ایک مضمون روسی اسکالر اور مصنف
آغناٹیوس کراتشکر فسکی کا اور دوسرا مضمون پروفیسر عبدالکریم جرمانوس کا شامل ہے، دونوں مضمون
بہت زیادہ طویل نہیں ہیں، یہ دونوں پروفیسر اپنے وطن میں عربی زبان وادب کے بڑے اور تسلیم
شدہ محقق اور مصنف ہیں اور عربی ادب کا ان کا مطالعہ گہرا ہے، خاص طور سے روسی اسکالر عرصہ تک
شام میں مقیم رہے ہیں، یہاں انہوں نے جدید عربی ادب کا مطالعہ کیا، پھر وہ مصر بھی گئے اور
وہاں ان کے مکان جو عین شمس میں تھا ان کے والد احمد تیمور سے ملنے گئے، اتفاق سے احمد تیمور

سے ملاقات نہیں ہوئی جس کا انہیں زندگی بھر افسوس رہا، روسی اسکالر احمد تیمور اور ان کے بڑے
بیٹے محمد تیمور اور بعد میں محمود تیمور تینوں کے بارے میں بہت تفصیلی مضامین لکھے، اس طرح تینوں
ادیبوں کے ساتھ ساتھ جدید عربی افسانہ، ناول نگاری کا تعارف روس میں بھی کرایا اور درحقیقت
ان کے مضامین جو افسانہ اور ناول کے متعلق تھے، اعلا درجہ کے تھے کیوں کہ جدید عربی افسانہ اور
ناول نگاروں نے اپنی فکر وفن اور زبان وادب کو آگے بڑھانے میں روسی اور فرانسیسی ادیبوں اور
اصحاب فن سے استفادہ کیا ہے اور خاص طور سے روسی اصحاب فن کے اثرات جدید عربی افسانہ
اور روایت نگاری میں پوری طرح سے واضح ہیں۔

اس طرح ان دونوں ادیبوں کے مضامین نے میری رائے کی تصدیق کردی کہ محمود تیمور
صرف افسانہ وناول نگار ہی نہیں ہیں بلکہ عربی زبان وادب کو ایک خاص رنگ دینے میں ان کو
کمال حاصل ہے، اس رنگ میں صحیح عربی زبان اور صحیح معنی میں مشرقی فکر وثقافت جلوہ گر ہیں،
محمود تیمور کو عربی زبان وادب سے محبت تھی اور اسی کے ساتھ عربوں سے غیر معمولی لگاؤ بھی، پھر
جب ان کی فکر وفن میں پختگی پیدا ہوئی تو افسانوں سے انہیں ہم دردی پیدا ہوئی، اس طرح ان کے
یہاں تین چیزیں ملتی ہیں، ایک محبت اور اس کے بعد دوسری منزل، حسن وجمال سے متاثر ہونا اور
حسن جمال کے بعد انسانیت اس طرح ان کی فکری آماج گاہ، محبت جمال اور انسانیت ہے اور یہ
تینوں چیزیں کسی صاحب فن میں پیدا ہوں تو وہ مقامی سطح سے نکل کر عالمی سطح پر پہنچ جاتا ہے اور
دنیا کے ہر خطہ کے باذوق ادب سے محظوظ ہونے والا ہو جاتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ وہ ایک
ادیب ہے اور یہی فن کا اعلا کمال ہے، محمود تیمور نے جن حالات میں آنکھ کھولی وہ حالات ان کے
آگے بڑھنے کے لیے پوری طرح سے ساز گار ومعاون تھے، یہ ان کی انتہائی خوش قسمتی تھی کہ
قدرت نے ان کو ان نعمتوں سے نوازا تھا، انسان کو جب قدرت کی طرف سے نعمتیں نصیب ہوں
اور وہ ان کا قدرداں اور خدا کا شاکر ہو جائے تو اس کی پرواز بلند سے بلند تر ہوتی جائے گی۔

محمود تیمور کا خاندان: محمود تیمور کا خاندان جہاں ظاہری جلال اور شان کا مالک تھا، وہیں
معنوی حیثیت سے بھی اپنے زمانہ میں ممتاز تھا، محمود تیمور کے والد احمد تیمور اور احمد تیمور کے والد
اپنے زمانہ کے خاص لوگوں میں تھے اور یہ لوگ ترکی کردستان سے محمد علی کے ساتھ مصر آئے، ان

کا خاندان کردستان کا رہنے والا تھا اور احمد تیمور کے والد اس زمانہ کے علما میں شمار ہوتے تھے، جب یہ خاندان مصر کے حکم راں محمد علی کے ساتھ مصر آیا تو محمد علی نے ان کو ہر لحاظ سے نوازا اور آہستہ آہستہ یہ خاندان مصر کے بڑے جاگیرداروں میں ہوگیا اور اپنے علاقے میں ان کو شان و شوکت نصیب ہوئی، حکم راں خاندان کی سرپرستی تھی لیکن حکومت کے عہدوں سے انہوں نے ہمیشہ دور رہنے کی کوشش کی، لکھنے پڑھنے کا شوق، کتابوں کو جمع کرنے اور اس کے لیے پیسے خرچ کرنے میں کبھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے، چنانچہ ان کا کتب خانہ مخطوطات اور مطبوعات کا سب سے شان دار کتب خانہ ہوگیا، اس زمانہ میں تین کتب خانے پوری دنیائے عرب میں مشہور تھے، ایک ازہر کا مکتبۃ الازہر، دوسرا حکومت کا دارالکتب المصریۃ اور تیسرا مکتبۂ احمد تیمور، بعض لحاظ سے مکتبہ تیمور کو دونوں کتب خانوں پر فوقیت حاصل تھی، کیوں کہ جو بھی قلمی نوادر احمد تیمور نے جمع کیا تھا، ان کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا اور ہر کتاب پر ان کے حاشیے بہت قیمتی تھے، اس کتب خانہ میں احمد تیمور کا زیادہ وقت گزرتا تھا، وہ اپنی جائداد کی نگرانی بھی کرتے تھے جس کے ذریعہ سے مال و دولت کی فراوانی تھی لیکن زیادہ وقت کتب خانہ میں گزرتا اور ادب کے مطالعہ سے ان کو خاص لگاؤ تھا، چنانچہ ادب ولغت کے مسائل پر انہوں نے کافی لکھا بلکہ یوں کہا جائے کہ مصر میں ادبی ولغوی مقالہ نگاروں کے صحیح معنی میں احمد تیمور ربانی یا موسس ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

مقالہ نگاری اور کتابوں کی تصنیف کے ساتھ ساتھ قلمی مخطوطات کی تصحیح و تنقیح کی بھی صحیح معنی میں بنیاد رکھی اور ابوالعلاء المعری کے رسالہ "الملائکۃ" پر ان کا جو کام ہے آج تک تحقیق و تخریج کے میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، ادب و زبان پر مطالعہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلامی تاریخ اور خاص طور سے خلفائے راشدین کی سیرت کا بہت عمیق مطالعہ کیا اور وہ چاروں خلفا کے عاشق وشیدائی بن گئے، اس کے ساتھ انہوں نے جو اعمال جلیلہ انجام دیے تھے زندگی بھر ان کے قدرداں رہے، جس کی وجہ سے ان کا ایمان بہت ہی پختہ تھا، یہ اثر ان کے بچوں پر بھی پڑا، بچوں کی تربیت بھی انہوں نے اسی انداز سے کی، دولت کی فراوانی میں ان کے بچے عیش وعشرت میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ علمی میدان میں بھی انہوں نے کمال حاصل کیا، اس زمانہ کی مروجہ تعلیم کو بھی حاصل کرتے رہے اور ساتھ ساتھ اپنے گھر میں جو اعلا درجہ کی کتابیں تھیں ان کو

بھی شوق ولگن سے پڑھتے رہے، اس طرح جدید اور قدیم یا یوں کہیے کہ گھر کی تعلیم اور اسکول کی تعلیم دونوں کی وجہ سے ان کے بچوں کا ذہن پختہ ہوتا گیا اور اعلا درجہ کی تربیت کی وجہ سے آگے کی منزلوں میں بھی کبھی ان کے قدم نہیں لڑکھڑائے، چنانچہ ذہن وفکر کی سلامت روی اور علمی شوق و لگن دونوں کی وجہ سے مستقبل میں آگے بڑھنے کی راہیں ہم وار ہوتی گئیں اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ باپ دادا کے علم کا جو میدان ہو اس میدان کو بچے بھی اپنائیں، علم کے بہت سے میدان ہیں اولاد کسی میدان میں قدم رکھتی ہے اور آگے بڑھتی ہے اور باپ دادا کا نام روشن کرتی ہے۔

زبان وادب سے محمود تیمور کا شغف: محمود تیمور نے زبان وادب کا میدان اپنایا اور اس پر اپنی ساری محنت صرف کی، ادب کا میدان جو بہت وسیع ہے اور اس کی منزل بھی بہت لمبی ہے، اعلا سے اعلا درجہ کا کوئی ادیب چاہے اس کے اندر کتنی ہی لگن اور دھن ہو اس کے ذرائع و رسائل غیر معمولی ہوں وہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ آخری منزل پر پہنچ گیا محمود تیمور نے افسانہ، ناول، ڈرامہ کو زندگی کا اہم مشغلہ بنایا بلکہ یوں کہا جائے کہ اپنے قلم کی آماج گاہ بنائی اور جس لگن سے انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا، زندگی کے آخری مرحلے تک اس دھن اور لگن سے چلتے رہے، خدا نے انہیں طویل عمر دی تھی اور عمر کے ہر مرحلے کو انہوں نے قیمتی مانا اور انسان کی یہی خوش قسمتی ہے کہ وہ زندگی کے ایک لمحہ کو بھی ضائع نہ ہونے دے، اپنی عمر کے طویل عرصہ میں انہوں نے ہر مرحلے میں ایک نئی چیز پیش کی اور عوام وخواص میں مقبول ہوتے رہے۔

آہستہ آہستہ وہ مصر کے دائرے سے نکل کر تمام عرب ممالک کے دائرے میں آگئے اور عرب ممالک کے دائرہ سے نکل کر دنیا کے دائرے میں آگئے، مقامیت کے دائرہ سے نکلنے کے لیے دو چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں، وہ زبان جو اس کی فکر کی تعبیر کا ذریعہ ہو اور وہ فکر جو اس زبان کے ذریعہ وہ پیش کر رہا ہو، چنانچہ دونوں میں جب کمال حاصل ہو تو صاحب فن ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں اور ایک دائرے سے دوسرے دائرے میں لوگوں کے احترام اور شان کے ساتھ پہنچ جاتا ہے، اس کی فکر کو ایک طبقہ، جو زبان سے واقف ہے پڑھتا ہے، متاثر ہوتا ہے، سر دھنتا ہے اور پھر وہی فکر دوسری زبانوں میں ترجمہ کے ذریعہ سے لوگوں تک پہنچتی ہے، اس طرح دنیا میں اعلا فکر وفن کی آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور صاحب فن زمان ومکان کی

حدوں سے نکل جاتا ہے اور وہی اس کے فکر وفن کی پرواز کی علامت ہے۔

مختلف زمانے کی زبانوں سے فائدہ اٹھانا: محمود تیمور نے عربی زبان سیکھنے میں اور فائدہ اٹھانے میں ایک زمانہ کی زبان تک محدود نہیں رکھا بلکہ زبان کا جو قدیم سلسلہ ہے، جو مختلف شکلوں میں عربی زبان وثقافت میں موجود ہے اسے محبت اور لگن سے پڑھا اور اس کی اعلا قدروں کو سینہ سے لگاتے رہے، چنانچہ ان کو اس زبان سے لگاؤ ہی نہیں بلکہ والہانہ شوق پیدا ہوا اور اس کے جو چمکتے ہوئے جوہر نظر آئے ان کو اپنے ذہن کے خزانے میں محفوظ کر لیا اور اسی کے ساتھ ساتھ فکر وفن کے عالمی اصحاب فن سے بھی قریب ہوتے گئے، فرانسیسی زبان پر ان کو غیر معمولی قدرت تھی، اس کے اعلا درجہ کے ادیبوں کی کاوشوں کا مطالعہ کیا اور اس کے ساتھ روسی، انگریزی، جرمنی زبانوں میں جو اہم اور اعلا درجہ کے فنی شاہکار تھے جن کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا، ان کا بھی انہوں نے اسی شوق سے مطالعہ کیا، چنانچہ عربی زبان وثقافت سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ عالمی زبان وثقافت سے بھی فائدہ اٹھایا اور اس سے ان کی زندگی بنتی اور سنورتی گئی، ان کا ذہن کھلتا اور وسیع ہوتا گیا، ان کے قلم میں تیزی پیدا ہوگئی اور ان کا قلم مچلنے لگا، جب قلم میں حرکت پیدا ہوا اور وہ مچلنے لگے تو اس وقت کہا جاسکتا ہے کہ لکھنے والا جو سوچ رہا ہے، جن مسائل پر غور کر رہا ہے، اس کا قلم آگے بڑھ کر اس کی فکر کو اپنا لیتا ہے، اس طرح فکر اور زبان میں ایک تناسب پیدا ہوتا ہے اور یہی تناسب وتوافق صحیح معنی میں کسی اعلا درجہ کے صاحب فن کی کامیابی کی علامت ہے۔

شخصیت نگاری اور تنقید نگاری: محمود تیمور نے جس طرح افسانہ، ناول اور ڈرامہ پر بہت کچھ لکھا، اسی طرح انہوں نے دنیا کی اہم شخصیات پر بھی لکھا اور ان کی علمی، ادبی اور فنی خصوصیات کو بیان کیا، اس طرح وہ شخصیت نگاری کے ساتھ آہستہ آہستہ تنقید نگاری تک آئے، انہوں نے جب شخصیات پر لکھا اور ان کی تعریف وتوصیف کی اس میں بہت محتاط رہے، انہوں نے اپنے استادوں، ساتھیوں اور ان اشخاص پر لکھا جن سے وہ متاثر تھے، شخصیت نگاری کے ساتھ جہاں ادبی مسائل پر انہوں نے لکھا وہاں بھی ان کی فکر کی وسعت اور موضوع سے واقفیت جھلکتی ہے، اکثر اپنے ناولوں کا جو مقدمہ لکھا اس میں ادب وفن کا جائزہ لیا اور اسی بات پر زور دیا کہ

اعلا فن اور فکر کے لیے صاحب فن کو کن چیزوں کا مسلح ہونا چاہیے اور اس کے قلم کی رفتار کیسی ہونی چاہیے، کیوں کہ جب تک صاحب فن کو فن کے مالہ وماعلیہ کا پتہ نہ ہو اور غرض وغایت سے واقفیت نہ ہو اس وقت تک وہ فن کی اعلا منزل تک نہیں پہنچ سکتا، ناول ''فرعون الصغیر'' جو بہت ہی مقبول ہوا، اس میں بہت تفصیلی طور پر اپنے خاندان اور زبان وادب کے اصول وضوابط پر گفتگو کی ہے، اس مقدمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمود تیمور نے عالمی ادب کا کس انداز سے مطالعہ کیا ہے اور عالمی ادب کو عربی زبان میں کس طرح ڈھالا ہے اور اپنے وسیع مطالعہ کے ذریعہ عربی زبان کو کہاں سے کہاں پہنچایا ہے۔

محمود تیمور نے ایک جگہ لکھا ہے کہ فن کی دنیا میں ہم نے کافی ترقی کی ہے اور اسے ترقی دینے میں ہم نئے دور کے ادیبوں اور اصحاب فن کے مشکور ہیں، خاص طور سے زبان وبیان کا مسئلہ ہے، اس میں ہماری ترقی قابل تعریف ہے، نصف صدی میں ہم نے زبان کے ظاہر وباطن اور نوک وپلک کو سنوارنے میں کتنی محنت کی ہے، جس کا ثمرہ ہمارے سامنے ہے اور اس پر ہم خدا کے شاکر ہیں لیکن جہاں تک فن کی معنویت اور اس کی رفعت کا تعلق ہے، ابھی ہم مغرب کے فکر و فن سے بہت پیچھے ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہمارے یہاں ذہن اور محنت کی کمی ہے، بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مغربی فکر وفن میں جو ترقی ہوئی وہ کتنے عرصے میں ہوئی اور اس کی ترقی میں صرف ایک ملک کی محنت وکاوش نہیں ہے بلکہ اس میں یوروپ کے تمام ترقی پسند ممالک اور امریکہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک کے اصحاب فن اور ادبا شامل ہیں، ان ملکوں کی وسعت اور وہاں کے ذرائع ووسائل پر وہاں کی مسلسل کاوش اور لگن نے نئی کھوج اور نئی فکر کی راہیں ہموار کی ہیں، اس کے مقابلے میں جب ہم مغرب کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تعلیم وتربیت کے ابتدائی مراحل طے کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور عرب ملکوں کے پھیلے ہوئے رقبے میں بس ایک محدود طبقہ کی ہم تعلیم وتربیت کر پائے ہیں، اس بنا پر ہماری پہنچ کیسے وہاں تک ہوسکتی ہے، جہاں ترقی یافتہ ملکوں کے ادیبوں کی ہوئی ہے، زبان کو ترقی دینے میں یا اس کے دائرہ کو وسیع کرنے میں ایک فرد یا جماعت یا ایک ملک کی کاوش چاہے کتنی بھی ہو اسے زبان کے اعلا معیار تک پہنچانے میں ہر طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم نے ترقی کے

راستہ کو دیکھ لیا ہے اور ترقی کے اصولوں سے بھی ہم تھوڑا بہت واقف ہو گئے ہیں، اب سعی مسلسل اور عزم محکم کی ضرورت ہے۔

محمود تیمور نے فن کی دنیا میں مذہبی فکر کے دائرہ میں رہ کر نئی چیزوں کی تلاش کی، نئی چیزوں کی تلاش کا مطلب ان کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ معدوم چیزوں کو وجود میں لانا، بلکہ وہ چیزیں جو نظروں سے اوجھل تھیں ان کو حقائق کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش ہے، انہوں نے مکالمہ کی وہ زبان استعمال کرنے کی کوشش کی جس میں نہ کہیں تصنع کا شائبہ تھا اور نہ اس میں سطحیت تھی، کیوں کہ فکر کی گہرائی و گیرائی زبان میں نہ ہو تو زبان کے اندر بھی حسن و جمال اور رعنائی نہیں پیدا ہو سکتی، فکر کی وسعت کے ساتھ ساتھ زبان پر اگر قدرت ہو تو پڑھنے والے کو صاحب فن کی کاوشوں میں باغ و بہار کی کیفیت نظر آئے گی اور وہ اس کی لہروں میں باد نسیم کے جھونکے محسوس کرے گا، آیئے اس موقع پر محمود تیمور کے بارے میں ہم عربی کے ادیب طٰہٰ حسین کی رائے دیکھیں، وہ لکھتے ہیں:

"وأذكر أني تلقيت ذات مرة في باريس (سلوى في مهب الريح) فترددت في قرأتها وآثرت أن أقرأ ما كنت أقرأ فيه من الأدب الفرنسي على اختلافه، ولا سيّما حين أكون في "فرنسا" ولكني لا أستطيع أن أرد نفسي عن قرأة آثارك، فاخذت نفسي بأن أقرأ من كتابك هذا صحفا بين حين وحين، على ألا مصر فني عما أنا فيه من قرأة الأدب الفرنسي، وأقسم ما بدأته حتى أعرضت عن كل ما انا فيه، ومضيت في قراته، حتى أتممت كتابك على طوله، ولم أقطع القرأة إلا حين لم يكن من قطعها بدّ.

وهذا شان غيرها من القصص التي تكتبه باللغة العربية، يأتي هذا كله من انك دقيق في التصوير ومن انك متعمق لحقائق الأشياء دون ان يظهر تعمقك للقراء ودون ان تقول للقاري:

انظر الا ترى أني قد بحثت فاحسنت البحث واستقصيت فاحسنت الاستقصاء ودون ان تصنع صنيع "البحتري" حين كان ينشد

بعض قصائده فاذا رأى عن "المتوكل" وممن حوله شيئا من الفتور سأل مالكم لا تعجبون؟ ومالكم لا تصفقون؟

وفيك بعد هذا كله دعابة حلوة، لايكاد الانسان يبلغها حتى يقف عندها، ثم يمضي في قرأتها ولكنه لا ينسى هذه الدعابة، دعابة في اللفظ ودعابة في التصوير ودعابة في التفكير أيضا"[1]

محمود تیمور کو جو زبان کی مہارت اور اعلا فن کی معرفت حاصل ہوئی اس کو کبھی بھی یک طرفہ نہیں کہہ سکتے بلکہ ان کی فکری و فنی مہارت و معرفت میں مشرقی فکر و معرفت کے ساتھ ساتھ مغربی فکر و معرفت کا بھی حسین امتزاج ہے، ان کے خاندان کی جو علمی روایت تھی اور اپنے باپ کے کتب خانہ میں جو عظیم الشان علمی و ادبی سرمایہ تھا، اس سے بھی ان کو لگاؤ اور محبت تھی اور اسی محبت ولگاؤ کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا اور اس کے اندر جو اعلا قدریں یا اس عظیم سرمایہ میں جگنو کی طرح چمکتے ہوئے جو حقائق تھے وہ ان کی نظر و وجدان میں سما گئے اور اس کے ساتھ مغربی ادب و فکر کا جو انہوں نے مطالعہ کیا تو ان کی آنکھیں اور چمک گئیں اور اسی شوق و جوش کے ساتھ اس کا بھی مطالعہ کیا اور جہاں جہاں بھی انہیں اعلا فن کی عظمتیں نظر آتیں، ان کی نظر رک جاتی بلکہ یوں کہا جائے کہ وہیں ان کے قدم ٹھہر جاتے اور اس سے پوری طرح محظوظ ہونے کے بعد پھر آگے بڑھتے، اس طرح ان کا فن جدید و قدیم کا بہترین امتزاج و سنگم ہے۔

محمود تیمور نے اپنے طویل علمی و ادبی سفر میں عالمی ادب و ثقافت اور تنقید و تخلیق کا مطالعہ جاری رکھا، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے افسانوں و ناولوں میں نئے نئے موضوعات پر مسلسل لکھتے رہے اور ان کے قلم کی رفتار کبھی مدھم نہیں ہوئی، مقامی اور وقتی موضوعات سے لے کر عالمی اور انسانی موضوعات پر سوچتے اور غور کرتے رہے، چنانچہ ان کے موضوعات میں غیر معمولی توسع ہے، وہ جس وقت لکھتے ہیں اس میں فکر و فن کی مہارت کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی ندرت و جدت پوری طرح جھلکتی ہے، ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ جہاں مغربی ادب اور اعلا درجہ کے ادیبوں کی تخلیقات وہ انہماک و شوق سے مطالعہ کرتے ہیں، وہاں وہ ان ادیبوں کے تنقیدی نظریات کا

---

[1] ملامح و غضون: محمود تیمور، ص ۱۲۔

بھی اسی انہماک ولگن سے مطالعہ کرتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فن کے مالہ وماعلیہ پر ان کی گہری نظر ہو، چنانچہ افسانوں وناولوں کے ساتھ ساتھ افسانہ وناول کے اصول وضوابط اور مقاصد وغایات پر لوگوں کی رہنمائی کے لیے مسلسل لکھتے رہتے ہیں، اپنے ناولوں کے مقدموں میں اور عربی زبان کے تنقیدی رسالوں میں اپنے تنقیدی نظریات کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں، اگر ان کی تنقیدی تحریروں کو یک جا کر دیا جائے تو تنقید کا اعلا نمونہ بن جائے گا، اس سلسلہ میں ہم محمود تیمور کے اس مقالہ کا اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے عصری ناول و افسانہ نگاروں پر اپنی رائے تحریر کرتے ہوئے لکھا کہ صاحب فن کا کیا دائرہ ہونا چاہیے اور وہ موضوعات کا انتخاب کیسے کرے:

”أتى علينا حين من الدهر كان أكبر ما يعنينا فيه حين نتجرد لتدبيج قصة أن فكرت قد ظفرنا دجادثة أو احدوثة ، فلا نلبث ان نعين لنا مواقع مصرية و اسماء عصرية وموضوعات وقتية ومتى تهيأ لنا من ذلك بناء هيكل القصة ، حسبنا اننا متراستو فينا عناصر القصص المصرى الصميم وظللنا على هذا النحو فتره ، نرضى نزعات نفوسنا ونشبع زهونا و نتملق وطينتنا ونفالى فى الاعتزاز بتلك الصبغة المحلية الزاهية ولما بلغنا من ذلك غاية مانريده واصبنا من الزاد ما يشبع وقضنا نرجت ونوازن بينه وبين ما اسفرت عنه قرائح أئمة القصة فى الآداب العالمية وجدنا أنفسنا ما بدحنا على الشاطى وتبين لنا أن ثمة بونا شاسعا بين ما تضطرب به اقلامنا وبين القصة فى كيانها الصحيح وتوالها السوى ، عرفنا بعد التجارب الاولى أن القصة روح قبل أن تكون مظهرا وفكرة قبل أن تكون حادثا وأن روح القصة الحى وفكرتها الصميمة أن تكون قبا من الانسانية التى اليها مرد الفن الرفيع فى شتى صوره من بيان و موسيقى ورسم و تمثيل ......“[1]

[1] یحیٰ حقی: فجر القصة المصرية ،ص ۷۰-۷۱۔

یحیٰ حقی ان کی تنقیدی نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمود تیمور نے جو کچھ کہا ہے وہ حقائق پر مبنی ہے اور سب سے زیادہ جس چیز پر انہوں نے زور دیا وہ یہ کہ مصری ادبا و فن کاروں کو غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ انہوں نے ادب وفن کے میدان میں قابل قدر ترقی کی ہے اور عالمی ادب کے ادیبوں نے ان کی تخلیقات کا کسی بھی حیثیت سے اعتراف کیا ہے، یہ حقیقت ہے کہ محمود تیمور جو کچھ لکھتے یا کہتے ہیں وہ ان کے علمی وادبی تجربات اور عالمی ادب کے مطالعہ پر مبنی ہوتا ہے۔

یحیٰ حقی محمود تیمور کے بڑے قدرداں ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ مصری ادب بلکہ عربی ادب پر ان کے دو احسانات ہیں، ان کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے مصری ادیبوں کے لیے اعلا درجہ کا نمونہ پیش کیا ہے اور ادب وفن کی خدمت کس انداز سے کی جائے، کن طریقوں کو اپنایا جائے جس سے ہم عالمی ادب کی سطح تک پہنچ سکیں، یہ باتیں وہی کرسکتا ہے جو اسی راہ کا راہی ہو اور اس راہ کا میر کارواں ہو، اس کے بعد یحیٰ حقی لکھتے ہیں کہ محمود تیمور ان خوش نصیب عرب ادیبوں میں ہیں جن کی تصنیفات کو مغرب کے ادیبوں نے اپنی زبان میں ترجمے کیے اور ان کے فکروفن کو ان ترجموں کے ذریعہ سے جانا پہچانا محمود تیمور کو جو اعزاز واحترام حاصل ہوا، ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے۔[1]

ہم نے ابھی محمود تیمور کے افسانوں وناولوں میں ان کے انداز بیان کی نشان دہی کی ہے کہ ان کے اندر کتنی ندرت ورعنائی ہے، فکر کی گیرائی وگہرائی ہے، وہ نئے نئے موضوعات کس طرح اٹھاتے ہیں اور آخری مرحلہ تک کس مہارت وذہانت سے پہنچ جاتے ہیں، منزل چاہے کتنی ہی لمبی ہو ان کے قلم میں کبھی تکان نہیں آتی اور آخری دم تک ان کا قلم مچلتا ہوا اور امنڈتا ہوا نظر آتا ہے، درحقیقت زبان وبیان میں پختگی، فکر ووجدان میں توانائی اور حرارت کی علامت ہے۔

شخصیات: تنقیدی موضوعات کے علاوہ انہوں نے جدید دور کی شخصیات پر بھی لکھا ہے جن میں ان کے احباب، اساتذہ، اعلا درجہ کے ادبا اور اہل قلم شامل ہیں، محمود تیمور نے اس فن میں اپنے قلم کے جوہر دکھاتے ہوئے ہر شخصیت کی صحیح تصویر کھینچی ہے، بچپن سے لے کر ان کی آخری

[1] یحیٰ حقی: فجر القصة المصرية ،ص ۷۱۔

زندگی کے فکر وفن کے اتار چڑھاؤ، ان کے مزاج، عوام سے ان کے لگاؤ، ان پر عوام کا اعتماد و بھروسہ، ان سے عقیدت ومحبت اور ان کی خامیوں اور خوبیوں کو بڑے ادیبانہ اور ظریفانہ انداز میں بیان کیا ہے جسے پڑھنے والا اور خود جس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے جب وہ اسے پڑھے تو مسکرادے اور مسکراتے مسکراتے قہقہہ لگادے اور پڑھنے والا مچل جائے، ان کا انداز ظریفانہ ہوتا ہے لیکن حقائق سے کبھی وہ دور نہیں جاتے، شخصیت نگاری میں توازن بہت ضروری ہے، اس سلسلے میں ہم ان کے فن کے چند نمونے پیش کرتے ہیں، فرانس کے مشہور اہل فن اور ناقد مویاساں جن کو وہ اپنا فکری رہبر اور فنی معلم تصور کرتے ہیں اور جن کے نقش قدم پر انہوں نے اپنے فکر و فن کے طویل سفر میں چلنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ ان کے افسانوں اور تنقیدی تحریر میں مویاساں کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہے، آیئے دیکھیں وہ اپنے استاذ و رہبر کو کس محبت وعقیدت سے پیش کرتے ہیں، جس میں ان کی محبت وعقیدت کے ساتھ ساتھ مویاساں کی شخصیت کس طرح متحرک نظر آتی ہے، محبت وعقیدت میں رنگ ونسل، زبان وبیان کی تمام سرحدیں ختم ہوجاتی ہیں اور محبوب بادنسیم کے جھونکوں کی طرح مسکراتے ہوئے پھولوں پر گلدستہ کی طرح صفحۂ قرطاس پر آجاتا ہے، لکھتے ہیں:

"صديقي الكبير!

هذه رسالة يخطها اليك امرؤ مقرّلك بالجميل، معترف بحسن الصنيع، حامد لك طيب الصحبة منذ ثلاثين عاما أو تزيد كنت أول من طالعني في فترة السن وعنفوان الصبا، حين انطلقت اقرأ ما يقع لي من ادب الغرب، فانا .... أنصيح لك في هذه الاوراق عن سر علاقتي بك وأبسط ما تكشف لي من بديع فنك.

ما انسى لا انس باكورة لقائي اياك في مكتبة هنالك "بالاسكندرية" في يوم من فصل الصيف.

كان من عادتي أن أقصى الصخوات في مشرب ساذج ينظر الى البحر، أنعم بجلسات رخية هنية في رفقة طائفة من الصحف وانا استمع

في الحين بعد الحين الى ثرثرتها في شكول من ابناء الحرب العظمى واطراف من شئون الناس وساعة ضقت ذرعا بثرثرة رفقتي من الصحف وهفت نفسي الى ان انجوبها من جعجعة الطعان وفضول الاخيار الى افق اصفى وانقى وارحب الى افق الادب الرفيع وكان لاجد لي ان اتخير رائدا يخط لي الطريق ويضيئ لي جوانبه، رائدا يحسن التودد الى نفسي بحديثة فاحسن الاصغاء اليه ولا امد الوعي لما يقول" [1]

اس اقتباس سے پوری طرح اندازہ ہوتا ہے کہ محمود تیمور کس طرح اپنے استاذ موسیاں کا ذکر کرتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ لفظوں میں قلب کی حرارت، شوق کی بے تابی، ماضی کی دل نوازیاں مچل رہی ہیں اور ہر جملہ زبان وبیان کا شاہکار بن جاتا ہے، اس کے بعد ہم ایک اور اقتباس پیش کرتے ہیں، جس میں انہوں نے اپنے دوست اور ہم قدم عبدالقادر المازنی اور عباس محمود العقاد کے فکر وفن، زبان وبیان، عادات واطوار، ان کی ظاہری شکل وصورت، ان کی اندرونی کیفیت و جبلت کی تصویر کشی کی ہے، اس مقالہ سے صحیح معنی میں وہی شخص محظوظ ہوسکتا ہے جس نے دونوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہو یا کم از کم ان کے بارے میں پڑھا ہو اور ان کی تحریروں سے تھوڑی بہت واقفیت ہو، عباس محمود العقاد اور عبدالقادر المازنی کا زمانہ ایک، دونوں کا خاندانی پس منظر ایک، دونوں کی زندگی کے مسائل ومشکلات تقریباً ملتے جلتے، دونوں ادیب وشاعر، ناقد اور صاحب فن ہیں، دونوں سیاسی معرکہ آرا، دونوں جدید وقدیم کے بہترین سنگم، تجدد پسندی میں دونوں ایک دوسرے کے ہم نوا و ہم سفر، زندگی کے ہر میدان میں قدم سے قدم ملاکر چلنے میں خوشی وانبساط محسوس کرتے ہیں، دونوں ادبی وسیاسی معرکہ آرائیوں میں چھیڑ چھاڑ کے ماہر لیکن دونوں کے ظاہر وباطن میں زمین وآسمان کا فرق، ایک قدآور ودیوہیکل، دوسرا پستہ قد اور لاغر، ایک زندگی کی مشکلات ومسائل میں عزم وعزیمت، ہمت وحوصلہ کا مجسمہ، زندگی کی مشکلات کو جب تک رام نہ کرے چین وسکون سے نہ بیٹھے، زندگی کی ہنگامہ آرائیوں میں ہنسنا اور قہقہہ لگانا اور ان پر قابو پاکر محظوظ ہونا، اسی وجہ سے اس کے اندر احساس برتری غالب رہا، ہار یا شکست کا لفظ ان کی قاموس

---

[1] ملامح و غضون: محمود تیمور، ص ۱۸۹-۱۹۰۔

میں نظر نہیں آتا، اس کے مقابلے میں دوسرے کے یہاں احساس کمتری، مایوسی زمانہ کی مشکلات سے فرار اس لیے دونوں کے فکر وفن پر یہ صفتیں نمایاں رہی ہیں:

”هما اثنان :

أحدهما سامق الهامة ، باسق القامة ، عريض المنكبين ، متدفق اليدين ، تلتمع عيناه حزما واعتزاما ، ويقتلع خطاه فى مسيره اقتلاعا .

وبجانبه شخص متطا من ، ضئيل الظل ، قريب بعضه من بعض تملأ منه عينيک فى لحظة ينقل خطاه كما يتواثب القطا ويقلب فيما حوله نظرة يقظى تسبر الغور وتخترق الحجب .

فإذا راعک مرآهما جنبا الى جنب فى الطريق ، فاقسم غير حانث انک ترى " العقاد " و "المازنى " ...... ترى ذينک الصاحبين اللذين ترافقا فى دنيا الادب وعالم الثقافة منذ عهد بعيد .

ولقد ألف الناس ان يتمثلوهما معا ، حتى انهم اذا راوا احدهما وحده اعدوا انفسهم لاستقبال صاحبه دون قصد ....

وذلک ماكان من امرى معهما حين ازمعت ان اجزى القلم فى الحديث عن واحد منهما فقد وثبت الى ذهنى على الفور صورة الآخر لا تريمه ولم تكن لى منجاة عن جمعهما فى مقال .

وليس ذلک عجبا فى شأن " العقاد " و "المازنى " فقد جلت لنا صحائف التاريخ مشاهد من الاعلام مثنى مثنى ....

وربما اثار الدهشة ان ثمة فوارق بين كل اثنين جمع بينهما التاريخ وان هذه الفوارق كانت خليقة ان تباعد بينهما كل المباعدة ولكن الحق ان تلک الفوارق هى علة الاتصال وباعثة الاقتران اذهى التى يتكامل بها الرفيقان ، فيؤلفان بهذا التكامل صورة تامة تعبر عن جانب كبير من حياة العصر الذى يعيشان فيه .

و "العقاد" و "المازنى" فى تزاملهما يتقاربان جد التقارب كما يتباعدان جد التباعد حتى لقد ينتهج احدهما مسلكا عكس ما ينتهج صاحبه بيد انهما على الرغم من كل ذلک صنوان أو توأمان لا تنقطع بينهما الاسباب .

تلازما عصر الشباب حتى ادى بهما المطاف الى اوج الرجولة وبلغنا عصر المشيب فلبث كلاهما على حاله لم يلحقه تبديل ولا تحويل ...... العقاد فى شبابه شيخ نشيط وفى كهولته شاب وقود أما المازنى فهو فى شبابه وكهولته معا ذلک اللغوب الشغوب ، صاحب النكات والشاكسات ، الساخر حتى من نفسه فى غير مبالاة .

فى حياتهما أوجُهُ شبه عجائب :

مدرسان يزاولان التعليم حينا من الدهر .

قارئان يمتحان من نبع واحد سواء فى الادب العربى أو فى الادب الانجليزى .

شاعران يخطان للشعر نهجا طريفا غير مالوف .

ناقدان يثوران على القديم ويدعوان الى الجديد .

كاتبان يشرعان أو ضاع المقالة العصرية فى ادبنا الحديث .

صحفيان ينافحان بالقلم عن مذاهب السياسة ومبادى الاحزاب .

ورأس المشابهة بينهما هو نزعة التجديد فهما ابرز دعاة العصر الى بعث الروح الادبى على نحو يساير النهضات الادبية فى العالم المتحضر واليهما يرجع كبير من الفضل فى اداء رسالة الفكر الغربى الى الشرق فى هذه الحقبة “[۱]

شخصیت نگاری میں لکھنے والے کا فنی شعور اور تنقیدی رجحان بھی پوری طرح ظاہر ہو جاتا

[۱] ملامح و غضون: محمود تیمور، ص۹۹-۱۰۱۔

ہے، تعریف وتوصیف میں قلم حقائق کی سرحدوں کو پار کر کے کہیں بے جا مبالغہ آرائی میں الجھ نہ جائے
محمود تیمور جہاں زبان وبیان کے بادشاہ ہیں وہیں احتیاط اور سلامت روی ان کی فطرت ہے۔

طٰہٰ حسین: اس کے بعد ہم ان کے ایک مقالہ (طٰہٰ حسین) کا اقتباس پیش کرتے ہیں
جس میں انہوں نے طٰہٰ حسین کی شخصیت کے بارے میں لکھا ہے، طٰہٰ حسین کی ادبی، سیاسی، فکری
روش، ان کے مزاج وکردار، ان کے خاندانی حالات کو جس انداز میں تحریر کیا وہ قابل دید ہے،
حقیقت یہ ہے کہ کسی ادیب یا صاحب فن کے بارے میں ایک ادیب اور صاحب فن ہی صحیح معنی
میں لکھ سکتا ہے، خاص طور سے جس کے بارے میں لکھ رہا ہو اس سے دوستی، محبت، عقیدت ہو،
اس کے کارناموں کا معترف اور قدرداں ہو، اس کے ماضی وحال سے پوری واقفیت ہو، اس کے
ادبی وفکری نظریات پر گہری نظر ہو۔

طٰہٰ حسین کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آج بھی لکھا جارہا ہے، ان کی شخصیت
متنازعہ فیہ رہی ہے اور رہے گی، عرب ملکوں میں ان کے مخالفین کی بڑی تعداد ہے اور مخالفوں کی
تعداد ہمیشہ رہے گی لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جتنی تعداد مخالفین کی ہے، اس سے
بڑی تعداد ان کے موافقین کی بھی ہے، ان کے عقیدت مندوں کا حلقہ عرب ملکوں سے باہر بھی اتنا
ہی ہے جتنا عرب ملکوں میں ہے، عربی میں اور مغربی زبانوں میں جتنا طٰہٰ حسین پر لکھا گیا ہے شاید
ہی کسی دوسرے ادیب پر لکھا گیا ہو، اس کو ہم ان کی عظمت وعبقریت کی علامت ہی کہہ سکتے ہیں،
جس ماحول اور خاندان میں آنکھ کھولی یا جس ماحول وخاندان میں جنم لیا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا
تھا کہ وہ مشرق کی عظیم شخصیتوں میں اپنا مقام بنالیں گے، ایک اوسط درجہ یا اس سے کم درجہ کے
کسان گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کا خاندان بڑا تھا، روزی کا ذریعہ صرف معمولی زمین تھی،
اکیلے باپ ہی پورے خاندان کی پرورش کررہے تھے، نو بھائی تھے، پانچویں وہ تھے، گاؤں کا
ماحول، باپ کی مالی حالت بہت خستہ، تعلیم کے ذرائع ووسائل بہت محدود، گاؤں کے علاوہ کسی
شہر میں جانے کی کوئی صورت نہیں تھی، وہی گاؤں کا مکتب، اس میں پڑھانے کا پرانا طریقہ، زمین
پر بیٹھ کر تمام بچے ایک ساتھ پڑھ رہے ہوتے، طٰہٰ حسین بھی اسی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے لگے،
انسان سوچتا کیا ہے اور کیا ہوجاتا ہے، غریب بچہ چار سال کی عمر میں چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوا

اور آنکھ سے محروم ہوگیا، اب اس کے لیے ساری دنیا تاریک ہی تاریک تھی، وہ کیا کریں گے،
کھیتی کرنہیں سکتے، پڑھنے لکھنے میں انہیں کیا کامیابی حاصل ہوگی، سب کو یہی دھڑکا تھا کہ وہ
خاندان بلکہ سماج کے لیے بوجھ بن جائیں گے۔

لیکن دوسری طرف تھوڑی امید تھی کہ مصر میں نابینا لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو
ازہر شریف سے تعلیم حاصل کر کے قصبات اور گاؤں میں معلمی یا مدرسی کے فرائض انجام دے
رہے ہیں، اگر خدا نے طٰہٰ حسین کی بھی مدد کی تو وہ گاؤں کے مکتب سے تعلیم حاصل کر کے قریب
کے کسی شہر میں ثانوی تعلیم حاصل کرلیں گے، پھر قاہرہ میں ازہر شریف میں ان کا داخلہ ہوجائے
گا اور وہاں سے اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں واپس ہوجائیں گے اور کسی مکتب یا اسکول
میں ان کا تقرر ہوجائے گا، گھر یا خاندان والے جب ان کو ازہری لباس لمبا لمبا کرتا، گول ٹوپی
اس پر سفید رومال اور ہاتھ میں چھڑی دیکھیں گے تو آنکھیں چمک جائیں گی، ان کے دل کی کلی
کھل جائے گی، ازہری لباس میں طٰہٰ حسین شیخ طٰہٰ حسین ہوجائیں گے، مکتب میں پڑھائیں گے،
گاؤں والوں کی وہی تربیت کریں گے، ان کے بارے میں خاندان والوں کی یہی آخری معراج
ہوسکتی تھی، وہ اپنی قسمت پر خوش ہوتے اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے، انسان سوچتا کچھ اور ہے
اور صحیفۂ غیب میں کچھ اور لکھا ہوا ہوتا ہے، غریب کسان کا نابینا بچہ گاؤں کے مکتب کے بجائے علم
وادب، فکر وثقافت، سیاست اور صحافت کے میدان میں اعلا مقام حاصل کرے گا، مصر ہی نہیں بلکہ
تمام بلاد عربیہ کے آسمان پر آفتاب اور ماہتاب کی طرح چمکے گا، اس کا ذہن جمود وتقلید کے دائرہ
سے نکل کر تجدد پسندی اور ترقی پسندی کی راہ پر گامزن ہوگا، اس کے قلم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر
ہوجائے گا، نئے نئے موضوعات کا مؤید بلکہ سرچشمہ بن جائے گا، الایام، دعاء الکروان، علی
ھامش السیرۃ، حدیث الاربعاء، ابن خلدون، ذکرابی العلاء المعری، المتنبی جیسی ادبی، فنی، فکری،
تحقیقی اور تخلیقی تصنیفات اسی کے رواں دواں قلم کے بدولت وجود میں آئیں گی، تعلیم وتدریس
کے میدان میں قاہرہ یونی ورسٹی میں لکچرر، ریڈر، پروفیسر، صدر شعبہ، ڈین فیکلٹی آف آرٹس، وزارت
تعلیم میں سکریٹری، پھر وزیر تعلیم کے عہدہ پر فائز ہوجائے گا، اس کو ہم کبھی عبقریت کبھی علم وادب
والوں کے لیے قدرت کے انمول تحفہ سے تعبیر کرسکتے ہیں، آیئے ان حقائق کو ہم محمود تیمور کی تحریر

میں دیکھیں، ایسا لگتا ہے زبان و بیان کا سوتا ابل رہا ہے، ان کا قلم ایک فکر سے دوسری فکر، ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف کس طرح لپکتا ہے، طہ حسین ان کے لفظوں اور جملوں کی لہروں میں مچلتے اور لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں:

"أسرة طيبة ، تحيا حياة الريف الصميم فى قرية من القرى الصميمة بين ذريتها طفل كسائر الاطفال ، يظل الى السنة الرابعة من عمره بتنفس فى جو الريف ويعيش فى منزل زاخر بأهله فى رعاية أب هو العائل السيد .

ولم تكن حياة هذا الطفل مظنة لتعقيد ، فما ضيها و حاضرها ومستقبلها واضح لا يحتاج الى كبير تفكير ......

خطة فى الحياة مقررة ومنهج فى الدراسة مرسوم .

ليس عليه الا ان يسير فى طريقه كأسلافه وكمن يعاصرونه وكمن يلونه ......

فقيه يقولى تحفيظ الطفل آى القرآن ويرسخ فى اعماق قلبه جذور الايمان .

انه طفل كبقية الاطفال وان كان متميزا يتوقد ذكاء ورهافة حس ولطف شعور ......

ولكن لين يكون لهذا التميز أثر فى حياة الطفل وفى نظام عيشه الراتب المقرر الذى ينتظره فى مستأنف العمر .

أقصى الامانى فى نفسه وفى انفس اهله وذويه ان يكون من متقدمى الطلاب فى الازهر المعمور ، فيؤهله ذلك لأن يكون شيخا نابها من أئمة الدين وفقهاء الفتوى وعلماء الاحكام ، يخب فى جبته الفضفاضة وتتوج رأسه عمامة كبيرة تكفل له أبهة ومهابة ، فإذا الناس يلثمون يده افواجا يستمدون منها طيب البركات .

ولكن حدث امر ذو بال كارثة من كوارث الدهر وضربة من

ضربات القدر ، التى يصيب بها الناس دون أن يدركوا الها كنها ......
فقد الصبى بصره فكان فى هذا الحدث فصل الخطاب فى الغيب المستور "۔

طہ حسین کی زندگی کا سب سے اہم اور موثر موڑ ان کا قدیم سے جدید، جمود و تقلید سے آزادی فکر اور صحیح معنی میں علم و عرفان کے میدان میں قدم رکھنا تھا، جہاں ان کی علمی پیاس کی سیرابی اور ان کے حوصلوں کی تکمیل تھی، جدیدیت اور ترقی پسندی سے انہوں نے صرف اپنے ضمیر ہی کو مطمئن نہیں کیا بلکہ نئی نسل کے نوجوانوں اور حوصلہ مندوں کے لیے مشعل راہ بن گئے، محمود تیمور کے مقالے میں طہ حسین کے فکری ارتقا کے ساتھ ساتھ جدید دور کا فکری وثقافتی پس منظر بھی پوری طرح جلوہ گر ہے۔

ہم نے محمود تیمور کے مضامین کے جو نمونے پیش کیے ہیں وہ تنقیدی موضوعات سے تعلق رکھتے ہیں، یا جدید دور کی اہم شخصیتوں کے بارے میں ہیں، یہاں ہم ان کی ان تحریروں کے نمونے پیش کریں گے جو ان کے فکر و فن یعنی افسانوں؛ ناولوں، ڈراموں سے متعلق ہیں، جو ان کی اصل آماج گاہ ہیں، جہاں وہ مقامی قومیت یا وقتی یا عارضی مسائل سے بلند ہو کر عالمی اور انسانی موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہیں، جن میں ان کی زبان و بیان کی ندرت کے ساتھ وجدانی کیفیت بھی پوری طرح جلوہ گر ہے، زبان و بیان، فکر و فن میں جب تک وجدانی کیفیت، قلب کی حرارت و حرکت نہ ہو، فن میں لطافت اور حلاوت پیدا نہیں ہوتی، بہ قول اقبال ع

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر

اس سلسلہ میں ہم ان کے ناول "نداء المجهول" کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں، نداء المجهول ان کی فنی کاوشوں کا شاہ کار ہے، جو در اصل ان کا خیالی سفرنامہ ہے، جو لبنان کے ایک چھوٹے سے شہر سے شروع ہوتا ہے، اس سفر کا بنیادی مقصد "القصر المسحور" تک پہنچنا ہے، القصر المسحور کے بارے میں عوام میں عجیب عجیب باتیں اور طرح طرح کے افسانے مشہور ہیں، اس جادو کے محل تک پہنچنے کے لیے طرح طرح کی صعوبتوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اس میں محمود تیمور نے انسان کے اس ملکہ کو ابھارنے کی کوشش کی ہے جس سے اس کائنات میں زندگی، ترقی،

شادابی اور بہار آتی ہے، وہ ملکہ ہے تلاش وجستجو، کائنات کے اسرار ورموز تک پہنچنے کا حوصلہ، زمین اور سمندر کی تہوں میں چھپی ہوئی نعمتیں اور ان سے واقفیت، نداء المجہول کا یہی بنیادی موضوع و مقصد ہے، القصر المسحور تک پہنچنے کا کوئی سیدھا اور آسان راستہ نہیں تھا بلکہ ہر منزل دوسری منزل سے زیادہ دشوار تھی، پہاڑوں کے درمیان پرخم اور نشیب وفراز سے پر درے اور راستے، جہاں پہاڑوں پر رہنے والوں کے قدم بھی ڈگمگا جائیں اور خچر بھی دو قدم چلنے کے بعد ہار مان جائیں لیکن یہیں پرآشوب اور تاریک غاروں کے بعد کہیں کہیں پر بہار وادیاں بھی ہیں جہاں رنگ برنگ پھول اور پودے، چہچہاتے اور منڈلاتے ہوئے پرندے، ان کے حسین ودل نواز نغمے ہیں جو انسان کے حسن وجمال کے چھپے ہوئے ملکہ کو بیدار کردیں، قسم قسم کے پھل جہاں آنکھ جم جائے اور ہٹنے کا نام نہ لے، تاریک اور بھیانک راتوں کے بعد چاندنی راتیں، صبح کے وقت باد نسیم کے دل نواز جھونکے، جہاں مشقت اور تھکن کو لوگ بھول جائیں، ان وادیوں میں طرح طرح کے چشمے اور جھرنے، ان تمام مرحلوں کو محمود تیمور نے قدرت کے حسین وجمیل مناظر سے تعبیر کیا ہے اور جس انداز میں ان کی تصویر کھینچی ہے، پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ وہ بھی ان کا ہم سفر اور ہم رکاب ہے، محمود تیمور کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ طویل سفر جو مختلف مرحلوں اور منزلوں سے مرکب ہے، اس کا نقشہ یا پلان اس طرح بنایا ہے کہ کہیں بھی یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ خیالی سفر ہے، ہر منزل کی نشان دہی، وہاں ٹھہرنے کے بعد آپس کے مکالمے، غرض ہر ایک احساس وجذبے کو جس انداز میں بیان کیا ہے وہ زبان وبیان کی رعنائی ودل کشی کے ساتھ فن کا بھی اعلا نمونہ بن گیا ہے، ان حقائق کو اقتباس میں دیکھیں:

”وبدانا ننحدر الى اسفل ، إذ كان علينا أن نهبط الى الوادى المنبسط خلف الجبل ، ثم نبدأ صعوداً جديداً الى قمة اخرى ...... وهدأ الهواء ، فلم نكد نشعر به وكانت الظلال الباردة تكسو سفح الجبل ، وتحجب عنا قاعه ورأينا أن الهبوط أصعب من الصعود ، إذ يكاد المنحدر يكون أفقيا الى انه كثير التعاريج والمزالق ، مملوءٌ بالحصاء فكنا نسير فى بطء شديد وحذر بالغ.

والفيت البغلتين تنقلان حوافرهما على الصخور فى جهد كبير وأخذت كتائب الظلام تهجم علينا فى اصرار ، تريد ان تضرب حولنا نطاقا منيعا لا نستطيع الفكاك منه فاضطر الشيخ ان يصدر أمره بالوقوف فوقفنا ......

و سمعته يهمهم :

" لا ندرك قاع الوادى الا بعد ساعة وقد أصبح السير شديد العسر فلننتظر قليلا ".

فقلت :

" وعلام الانتظار ؟ "

فلم يجبنى ، بل كان منهمكا ينظر فى السماء مدققا ......

وبعد لحظة قال :

أبشروا فقد جاء نا الفرج !

وماكاديتم قوله ، حتى بدأت الحلسكة تنقشع وانبعث ضوء أحمر فى جوانب السماء وجلسنا على الصخور ونحن نراقب هذا الضوء الجميل يعبث بالليل ويداعبه مسترقا خطاء فى خفته ولبثنا كذلك وعيوننا متطلعة الى السماء ، لانتفوه بكلمة ما خوذ ين بروعة الطبيعة منتظرين بزوغ ذلك الساحر العظيم !

وكنا لا نسمع فى ذلك الصمت الرازح الا صوت الهواء المحتبس فى الوادى فكأنه أنين شاك أو أسير ...... حتى البغلتان لقد اشتركنا معنا فى الاصغاء والسكون ، فلم تصدر منهما حركة او شحيج بل وقفتا جامد تين كأنهما تحت تأثير قوة مغنطيسية .

وأخيراً ظهر القمر يعبر قمم الجبال فى جلال و انتصار يسبح فى هدوء غريب ويبتسم حوله للأكوان معتزاً بجماله وقوته وإذا بالوادى

يتفتح عن جوانبه ويتكشف عن اسراره وانتشرت همهمة غريبة تكاد تخطئها الأذن فهل كانت اصوات بعض الحشرات قد خرجت من جحورها مرحبة؟ أم هى اصوات كائنات غير منظورة جاء ت تشاركنا فى استقبال ضيفنا الكبير ؟

لقد شاهدت بزوغ القمر كثيرا واعجبت به كثيرا ولكننى لم اره قط على هذه الحالة التى رأيته عليها فى ذلك الوقت ولم اشعر نحوه بذلك الشعور الذى احسسته آنئذٍ فخفضت راسى وانا ارتعش !

ونبهنى صوت "الشيخ عاد" وهو يقول :

"هيّا ...... فلنتابع المسير".

ونهضنا فاستأنفنا سيرَنا فى بطء وحذر كما كنا من قبل ، ومازلنا كذلك حتى بلغنا بطن الوادى واختار لنا "[1]

یہ جو مختلف اقتباسات پیش کیے گئے ہیں، ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والے کو محمود تیمور کے فکروفن، زبان و بیان کی مہارت وقدرت کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو اوراس کے اندران کی نگارشات وتحقیقات پڑھنے کا شوق پیدا ہو اور وہ جدید عربی ادب کے مختلف دھاروں سے واقف ہو۔

[1] نداء المجهول ،ص ۶۵-۶۷ محمود تیمور۔

عہد رسالت میں عرب وحبشہ کے تعلقات

از:- جناب لطف الرحمان فاروقی ☆

(۲)

مہاجرین کی فہرست: جن مشہور قبائل کے لخت جگر سرزمین حبشہ ہجرت کر گئے تھے، ان کے افراد کی فہرست متعلقہ قبائل کے حوالے سے درج کی جاتی ہے، ان بچوں کے نام بھی اپنے والدین کے ساتھ ابجدی علامات کے ساتھ دیے جاتے ہیں جو ان کے ساتھ گئے یا سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے، مزید وضاحت طلب باب قوسین کے اندر درج کی جاتی ہے۔

۱-بنی ہاشم بن عبد مناف:

۱-جعفر بن ابوطالبؓ، ۲-اسماء بنت عمیسؓ (جعفرؓ کی شریک حیات)، ۳-(الف) عبداللہ بن جعفرؓ (سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے، ۴-عثمان بن عفانؓ، ۵-رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ (حضرت عثمانؓ کی شریک حیات)، ۶-عمرو بن سعید بن العاص بن امیہؓ، ۷-فاطمہ بن صفوانؓ (عمروؓ بن سعید کی شریک حیات)، یہ بنی کنانہ میں سے تھیں، ۸-خالد بن سعید بن العاصؓ، ۹-اینہؓ بنت خلفؓ (خالد بن سعید بن العاصؓ کی شریک حیات)، یہ بنی خزاعہ میں سے تھیں، ابن اسحاق کے مطابق بعض نے اینہ کی بہ جائے یمینہ بنت خلف کہا ہے، ۱۰-(الف) سعید بن خالد (خالد ابن سعید العاص کے بیٹے)، ۱۱-(ب) امہ بنت خالد (خالد بن سعید العاص کی بیٹی)۔

۲-حلفائے بنی امیہ:

۱۲-عبداللہ بن جحش (یہ ام المومنین بنت حضرت زینب کے بھائی تھے)، ۱۳-ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ (اہلیہ بنت عبداللہ بن جحشؓ)، ۱۴-عبیداللہ بنت جحشؓ، ۱۵-قیس بن عبداللہ (یہ

☆اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

بنی اسد بن خزیمہ میں سے تھے)، ۱۶-برکہ بن یسار (قیس بن عبد اللہ کی شریک حیات اور ابو سفیان بن حرب بن امیہ کی آزاد کردہ لونڈی)، ۱۷-معیقیبؓ بن ابی فاطمہؓ (یہ قبیلہ دوس میں سے تھے، البتہ سعید بن العاص کے متعلقین میں سے تھے)۔

۳-بنی عبد شمس بن عبد مناف:

۱۸-ابوحذیفہؓ بن عتبہؓ بن ربیعہؓ، ۱۹-ابوموسیٰ اشعری (ان کا نام عبد اللہ بن قیس تھا اور عتبہ بن ربیعہ والوں کے حلیف تھے)۔

۴-بنی نوفل بن عبد مناف:

۲۰-عتبہ بن غزوان بن جابر (بنی نوفل بن عبد مناف اور بنی قیس بن عیلان میں سے تھے)۔

۵-بنی اسد بن عبد العزیٰ بن قصی:

۲۱-زبیر بن العوام بن خویلد (یہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے)۔ ۲۲-الاسود بن نوفل بن خویلد بن سعد (ایضاً)، ۲۳-یزید بن زمعہ بن الاسود، ۲۴-عمرو بن امیہ بن الحارث بن اسد۔

۶-بنی عبد بن قصی: ۲۵-طلیب بن عمیر۔

۷-بنی عبد الدار بن قصی:

۲۶-مصعب بن عمیر، ۲۷-سویبط بن سعد، ۲۸-جہم بن قیس، ۲۹-ام حرملہ بنت عبد الاسود (جہم کی شریک حیات)، ۳۰-(الف) امر بن جہم (جہم بن قیس کے بیٹے)، ۳۱-(ب) خزیمہ بن جہم (جہم بن قیس کے بیٹے)، ۳۲-ابوالروم بن عمیر (حضرت مصعب کے بھائی)، ۳۳-فراس بن النضر بن حارث بن کلدہ۔

۸-بنی زہرہ بن کلاب:

۳۴-عبد الرحمان بن عوف، ۳۵-عامر بن ابی وقاص (حضرت سعد بن وقاص کے بھائی)، ۳۶-مطلب بن ازہر، ۳۷-رملہ بنت ابی عوف (اہلیہ مطلب بن ازہر) (یہ بنی سہم میں سے تھیں)، ۳۸-(الف) عبد اللہ بن المطلب (مطلب بنی ازہر کا بیٹا جو سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے)۔

۹-حلفائے بنی زہرہ:

۳۹-عبد اللہ بن مسعود (یہ قبیلہ ہذیل میں سے تھے)، عتبہ بن مسعود (عبد اللہ بن مسعود کے

بھائی)، ۴۱-المقداد بن عمرو (ابن اسحاق کے مطابق ان کو مقداد بن الاسود بھی کہتے تھے کیوں کہ اسود نے انہیں جاہلیت میں متبنیٰ بنالیا تھا)۔

۱۰-بنی تمیم بن مرہ:

۴۲-الحارث بن خالدؓ (یہ حضرت ابوبکرؓ کے ماموں زاد بھائی تھے)، ۴۳-ربطہ بنت الحارث بن جبلہؓ (یہ الحارث بن خالد کی بیوی اور بنی تمیم میں سے تھیں)، ۴۴-(الف) موسیٰ بن الحارثؓ (یہ سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے)، ۴۵-(ب) عائشہؓ (یہ سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئیں)، ۴۶-(ج) زینبؓ (یہ سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئیں)، ۴۷-(د) فاطمہؓ (یہ سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئیں)، ۴۸-عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعبؓ (یہ حضرت طلحہؓ کے چچا تھے)۔

۱۱-بنی مخزوم:

۴۹-ابوسلمہ بن عبد الاسدؓ (یہ حضور علیہ کے دودھ شریک اور پھوپھی زاد بھائی تھے)، ۵۰-ام سلمہؓ (ہند) بنت ابی امیہ (ام سلمہؓ کی بیوی جن کو بعد میں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا)، ۵۱-(الف) زینب بنت ابی سلمہؓ (یہ سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئیں)، ۵۲-شماس ابن عثمانؓ (شماسؓ کا نام عثمان تھا، چوں کہ وہ شماس نامی ایک انتہائی خوب صورت راہب کے ہم شکل تھے، اس لیے ان کا نام بھی شماس پڑ گیا، یہ عتبہ بن ربیعہؓ کے بھانجے تھے)، ۵۳-ہبار ابن سفیانؓ، ۵۴-عبد اللہ بن سفیانؓ (ہبار بن سفیان کے بھائی)، ۵۵-ہشام بن ابی حذیفہ بن مغیرہؓ، ۵۶-سلمہ بن ہشام بن المغیرہؓ (ابوجہل کے بھائی)، ۵۷-عیاش بن ابی ربیعہؓ۔

۱۲-حلفائے بنی مخزوم:

۵۸-معتب بن عوف (یہ خزاعہ میں سے تھے، ان کو عیہامہ بھی کہا جاتا تھا)

۱۳-بنی جمح:

۵۹-عثمان بن مظعون بن حبیبؓ (یہ حضرت عمرؓ کے برادر نسبتی تھے)، ۶۰-السائب ابن عثمانؓ (عثمان بن مظعونؓ کے بیٹے)، ۶۱-قدامہ بن مظعونؓ (عثمان بن مظعونؓ کے بھائی)، ۶۲-عبد اللہ بن مظعون (یہ عثمان بن مظعون کے بھائی)، ۶۳-حاطب بن الحارثؓ، ۶۴-فاطمہ بنت المجللؓ (یہ حاطب بن حارثؓ کی بیوی تھیں)، ۶۵-محمد بن حاطبؓ (حاطب بن

حارثؓ اور فاطمہؓ کے بیٹے)، ۶۶- حارث بن حاطبؓ (یہ بھی حاطبؓ اور فاطمہؓ کے بیٹے تھے)، ۶۷- خطاب بن الحارثؓ (حاطب بن الحارثؓ کے بھائی)، ۶۸- فکیہہ بنت سارؓ (ان کی بیوی)، ۶۹- سفیان بن معمرؓ، ۷۰- جابر بن سفیانؓ (سفیان بن معمرؓ کے بیٹے)، ۷۱- حنادہ بن سفیانؓ (سفیان بن معمرؓ کے بیٹے)، ۷۲- حسنہؓ (سفیانؓ کی بیوی اور جابر و حنادہ کی ماں) ۷۳- شرحبیل ابن حسنہؓ (حسنہؓ کے دوسرے شوہر میں سے تھے جو بنی غوث بن مر میں سے تھا)، ۷۴- عثمان بن ربیعہ بن اہبانؓ۔

۱۴- بنی سہم:

۷۵- خنیس بن حذافہؓ (حضرت عمرؓ کے داماد، ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر)، ۷۶- عبداللہ بن الحارثؓ، ۷۷- ہشامؓ، ۷۸- قیس بن حذافہؓ، ۷۹- ابوقیس بن الحارثؓ، ۸۰- عبداللہ بن حذافہؓ، ۸۱- الحارث بن الحارث بن قیسؓ، ۸۲- معمر بن الحارث بن قیسؓ، ۸۳- بشر بن الحارث بن قیسؓ، ۸۴- سعید بن عمروؓ (یہ بنی تمیم میں سے تھے جو بشر بن الحارث کے مداری بھائی تھے، ان کو سعید بن عمرو کہا جاتا تھا)، ۸۵- سعید بن الحارث بن قیسؓ، ۸۶- السائب بن الحارث بن قیسؓ، ۸۷- عمیرؓ بن رئابؓ۔

۱۵- حلفائے بنی تمیم: ۸۸- محمیہ بن الجزاءؓ (یہ بنی زبیر میں سے تھے)۔

۱۶- بنی عدی بن کعب:

۸۹- معمر بن عبداللہ بن نضلہؓ، ۹۰- عروہ بن عبدالعزیٰؓ، ۹۱- عدی بن نضلہؓ، ۹۲- نعمان بن ربیعہؓ (یہ عدی بن نضلہ کے بیٹے ہیں)۔

۱۷- حلفائے بنی عدی:

۹۳- عامر بن ربیعہؓ (یہ غزان بن وائل میں سے تھے اور الخطاب والوں کے متبنیٰ تھے)، ۹۴- لیلیٰ بنت ابی حثمہ بن غانمؓ (یہ عامر بن ربیعہؓ کی بیوی تھیں اور بنی عدی میں سے تھیں)۔

۱۸- بنی عامر بن لوئی:

۹۵- ابوسبرہ بن ابی رہمؓ (حضور ﷺ کی پھوپھی برہ بنت المطلب کے بیٹے)، ۹۶- ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو (یہ ابوسبرہؓ کی بیوی تھیں)، ۹۷- عبداللہ بن مخرمہؓ، ۹۸- عبداللہ

ابن سہیل بن عمروؓ، ۹۹- السلیط بن عمروؓ (یہ سہیل بن عمروؓ کے بھائی تھے)، ۱۰۰- سکران بن عمروؓ (یہ سہیل بن عمروؓ کے بھائی تھے)، ۱۰۱- سودہ بنت زمعہؓ (یہ السکرانؓ کی بیوی تھیں جن کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا)، ۱۰۲- مالک بن زمعہؓ (حضرت سودہؓ کے بھائی)، ۱۰۳- عمرہؓ بنت السعدی (یہ مالک بن زمعہؓ کی بیوی تھیں)، ۱۰۴- ابوحاطب بن عمروؓ یا حاطب بن عمروؓ۔

۱۹- حلفائے بنی عامر: ۱۰۵- سعد بن خولہؓ (یہ یمنی تھے)۔

۲۰- بنی حارث بن فہر:

۱۰۶- ابوعبیدہ بن الجراحؓ (ان کا نام عامر بن عبداللہؓ تھا)، ۱۰۷- سہیل بن بیضاءؓ (ان کا نام سہیل بن وہبؓ تھا)، چوں کہ ان کی ماں بیضاء مشہور تھیں، اس لیے وہ ماں کی طرف منسوب ہوئے، ۱۰۸- عمرو بن ابی سرحؓ، ۱۰۹- عیاض بن زہیرؓ یا ربیعہ بن ہلالؓ، ۱۱۰- سعد ابن قیس بن عمرو بن الحارث بن زہیرؓ، ۱۱۱- عثمان بن عبدغنم بن زہیرؓ، ۱۱۲- الحارث بن عبد قیس بن فہرؓ۔[1]

قریش کا وفد نجاشی کے دربار میں: نجاشی کی بہ دولت مسلمان حبشہ میں امن وامان سے زندگی بسر کررہے تھے اور قریش یہ کیوں کر برداشت کرسکتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن ربیعہؓ اور عمرو بن العاصؓ (بعد میں فاتح مصر) کو سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا، وہ نجاشی اور اس کے درباریوں میں سے ایک ایک کے لیے گراں قدر تحائف لے کر گئے اور نجاشی سے ملاقات سے پہلے دربار کے پادریوں سے ملاقات کی اور ان کی خدمت میں تحفے اور نذرانے پیش کیے اور ان سے گزارش کی کہ بادشاہ کے دربار میں وہ جو درخواست پیش کریں، یہ لوگ اس کی تائید کریں۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان: اس سلسلہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا بیان انتہائی اہم ہے، اس بیان سے نہ صرف ہجرت حبشہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اس دور کی تاریخ، مذہب عیسائیت، معاشرت، اخلاق واقدار، سفارتی اخلاق وآداب، اسلامی تعلیمات اور حکمت تبلیغ بھی عیاں ہوتی ہے۔

آپؓ ایک صاحب بصیرت، دانا وفرزانہ خاتون تھیں، آپ کا نام ہند بنت ابی امیہؓ ہے، آپ اولین مسلمانوں میں سے تھیں، آپ کا تعلق مکہ کے اہم قبیلہ بنو مخزوم سے تھا، آپ حضرت

عرب وحبشہ کے تعلقات

خالد بن ولیدؓ کی قریبی رشتہ دار تھیں ، وہاں سے واپسی پر جب دوبارہ مدینہ منورہ جانے لگے تو حضرت ام سلمہؓ کے والدین نے آپ کو زبردستی روک لیا اور بچے کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی مگر آپ اپنے بچے سے جدا نہ ہوسکتی تھیں ، اس کھینچا تانی میں بچے کا ایک بازو اکھڑ کر زندگی بھر کے لیے ناکارہ ہوگیا ، چوں کہ ان کے شوہر مدینہ جاچکے تھے اس لیے آپ مکہ میں تنگی کی زندگی گزار رہی تھیں ، آخر تنگ آکر ان کے خاندان والوں نے مدینہ جانے کی اجازت دے دی تو آپ اکیلی مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئیں اور اپنے شوہر سے جاملیں ، آپ کی شادی ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسود المخزومی سے ہوئی تھی ، دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے حبشہ گئے ، ۳ھ میں غزوۂ احد میں حضرت ابوسلمہؓ کو ایک کاری زخم لگا تھا جس کی وجہ سے وہ وفات پاگئے ، ان کی وفات کے بعد شوال ۴ھ کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا ، خالد ابن ولیدؓ اس وقت تک اسلام کے بدترین دشمن تھے ، جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو خالد بن ولیدؓ آپ کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے دشمنی میں کمی آئی اور کوئی دو سال بعد مشرف بہ اسلام ہوگئے ، حضرت ام سلمہ عرب کی ان چند خواتین میں سے تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں ، وہ ایک اچھی شاعرہ بھی تھیں ، حضرت ام سلمہ ۸۴ سال کی عمر میں ذی قعدہ ۵۹ھ میں وفات پاگئیں اور حضرت ابوہریرہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ، جنت البقیع میں ان کا جسد خاکی مدفون ہے ، ان سے رسول اللہ ﷺ کی کافی احادیث مروی ہیں ، حبشہ میں قیام کے دوران انہوں نے وہاں کے اکثر گھروں کا مطالعہ بھی کیا تھا ، حبشہ میں حضرت ام سلمہ نے جو مشاہدہ فرمایا ، ابن اسحاق نے ان سے نقل کیا ہے۔

جب ہم سرزمین حبشہ میں اترے تو وہاں ہمیں نجاشی کا بہترین پڑوس مل گیا ، دین میں امن نصیب ہوا اور ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگئے ، نہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچاتا تھا اور نہ ہم کوئی بری بات سنتے تھے ، جب اس حالت کی اطلاع قریش کو ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورے کیے کہ ہمارے بارے میں نجاشی کے پاس اپنے دو مستقل مزاج آدمی بھیجے اور نجاشی کے پاس مکہ کے سامان میں سے نایاب سمجھی جانے والی چیزیں بہ طور ہدیہ روانہ کیں ، مکہ سے حبشہ کو جانے والی چیزوں میں سے بہترین دباغت کیے ہوئے چمڑے تھے ، اس کے لیے بہت

معارف فروری ۲۰۰۸ء

چمڑے اکٹھے کیے اور اس کے وزیروں میں سے کسی وزیر کو نہیں چھوڑا جس کے لیے ہدیہ نہ بھیجا ہو ، یہ ہدیے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کے ساتھ روانہ کیے اور ان دونوں سے کہہ دیا نجاشی سے مسلمانوں کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے ہر وزیر کو اس کا ہدیہ پہنچا دو اور اس کے بعد نجاشی کے ہدیے اسے پیش کرو ، پھر استدعا کرو کہ مسلمانوں کو گفتگو کرنے سے پہلے تمہارے حوالے کردے۔

قریشی سفیروں کی ساز باز: وہ دونوں نجاشی کے پاس پہنچے ، جہاں ہم اس کے پاس بہترین جگہ اور بہترین ہمسائے میں تھے ، نجاشی کے ساتھ گفتگو سے پہلے انہوں نے اس کے وزیروں میں سے ہر ایک کے پاس اس کا ہدیہ پہنچایا اور ان میں سے ہر ایک سے کہا: ”ہم میں سے چند کم عمر ، بے وقوف چھوکروں نے اپنی قوم کا دین بھی اختیار نہیں کیا اور تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے ، جس سے نہ ہم واقف ہیں نہ تم ، انہوں نے تمہارے بادشاہ کے ملک میں پناہ لی ہے اور اس کے پاس اپنی قوم کے معززین بھیجے ہیں تاکہ وہ انہیں ان کے حوالے کردیں ، اس لیے ہم بادشاہ سے ان کے متعلق گفتگو کریں تو تم مشورہ دینا کہ وہ انہیں ہمارے حوالے کردے اور ان سے گفتگو نہ کرے ، کیوں کہ شرافت کے لحاظ سے ہمیں ان پر برتری حاصل ہے اور جو الزام انہوں نے ان پر لگایا ہے ، اس سے وہ خوب واقف ہیں ، آخر انہوں نے ان سے کہا: بہت اچھا ، پھر ان دونوں نے اپنے ہدیے نجاشی کے پاس پیش کیے اور اس نے ہدیے قبول کرلیے“۔

نجاشی کے پاس شکایت: پھر بادشاہ سے کہا: ”اے بادشاہ! ہم میں سے چند کم سن بے وقوف چھوکروں نے اپنی قوم کے دین سے علاحدگی اختیار کی ہے اور وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ ، ہمیں آپ کے پاس ان کے متعلق ان کی قوم کے معززین نے بھیجا ہے جن میں ان کے باپ ، چچا اور دیگر لوگ شامل ہیں ، تاکہ آپ انہیں ان کے پاس واپس نہ کردیں ، کیوں کہ وہ شرافت کے لحاظ سے ان پر برتری رکھتے ہیں ، جو الزام انہوں نے ان پر لگایا اور جس چیز کے متعلق وہ ان سے خفا ہیں ، اسے وہ خوب جانتے ہیں“ ، ام سلمہؓ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ”عبداللہ بن ابی ربیعہ

اور عمرو بن العاص کو اس بات سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہ تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی گفتگو سنے، اس کے بعد اس کے ان وزیروں نے جو اس کے گرد موجود تھے، کہا: اے بادشاہ! ان دونوں نے سچ کہا کہ ان کی قوم شرافت کے لحاظ سے ان پر برتری رکھتی ہے اور جو الزام انہوں نے لگایا ہے، اس سے وہ خوب واقف ہیں، لہٰذا انہیں ان دونوں کے سپرد کر دیجیے، تاکہ وہ انہیں ان کے وطن اور ان کی قوم کے پاس پہنچادیں"۔

نجاشی کا جواب: اس بات پر نجاشی خفا ہوا اور کہا: "نہیں! خدا کی قسم! جب ایسی حالت ہے تو میں انہیں ہرگز ان دونوں کے سپرد نہیں کروں گا اور نہ ایسا ارادہ ان لوگوں کے متعلق کیا جاسکتا ہے جنہوں نے میرا پڑوس اختیار کیا ہے اور میری سرزمین میں بہ طور مہمان آئے ہیں، چوں کہ دوسروں کو چھوڑ کر انہوں نے مجھ کو منتخب کیا ہے، اس لیے میں انہیں بلاؤں گا اور ان دونوں (قریش کے سفیروں) نے ان کے متعلق جو کچھ کہا ہے، اس کی نسبت دریافت کروں گا، پھر اگر ان کی حالت ویسی ہی ہو جیسا کہ یہ دونوں کہہ رہے ہیں تو میں انہیں ان کے حوالے کر دوں گا اور انہیں قوم کی طرف لوٹا دوں گا، اگر ان کی حالت اس کے خلاف ہو تو میں ان مسلمانوں کی حفاظت کروں گا، جب تک وہ میرے پڑوس میں رہیں، میں ان کے پڑوس کا حق اچھی طرح ادا کروں گا"۔

صحابہ کا مشورہ: حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: اس کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا، جب ان لوگوں کے پاس بھیجا ہوا آدمی پہنچا تو یہ سب ایک جگہ جمع ہوئے اور ان میں سے بعض نے کہا: جب تم نجاشی کے پاس پہنچوگے تو آخر اس سے کیا کہوگے، انہوں نے جواب دیا: واللہ ہم وہی کہیں گے جو ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے اور جن باتوں کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے، چاہے جو بھی ہو جائے۔

جب یہ دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ نجاشی نے اپنے علما کو بھی بلالیا ہے اور اس کے گرد انہوں نے اپنے صحیفے کھول رکھے ہیں، اس نے سوالات شروع کیے، کہا: "اس دین کی حقیقت کیا ہے جس میں داخل ہو کر تم نے اپنی قوم سے علاحدگی اختیار کرلی ہے؟ تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ موجودہ دینوں میں کسی دین میں شامل ہو"۔

جعفر بن ابی طالبؓ کی تقریر: اب جس نے اس سے گفتگو شروع کی وہ جعفر بن ابی طالبؓ

تھے، انہوں نے جواب دیا: "اے بادشاہ! ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ ہم سب جاہل تھے، بتوں کی پوجا کرتے اور مردار کھاتے تھے، برے کاموں کے مرتکب ہوتے تھے، رشتے ناتے توڑ دیتے پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے اور ہم میں سے قوی، کم زور کو کھا جاتا تھا، یہ ہماری حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں میں سے ایک شخص کو ہماری جانب رحم دل بنا کر بھیجا جس کے نسب، سچائی، امانت اور پاک دامنی کو ہم سب جانتے ہیں، اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دی کہ ہم اسے یکتا مانیں اور اسی کی عبادت کریں، ہم اور ہمارے بزرگوں نے اسے چھوڑ کر پتھروں اور بتوں کی جو پوجا اختیار کر رکھی تھی، اسے ترک کر دیں، اس رسولؐ نے ہمیں سچی بات کہنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے تعلقات کے قائم رکھنے، پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنے، حرام باتوں اور قتل وخوں ریزی سے باز رہنے کا حکم فرمایا اور ہمیں برائیاں کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا، اس نے ہمیں حکم دیا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اس نے ہمیں نماز، زکوۃ اور روزے کا حکم دیا، غرض انہوں نے نجاشی کے سامنے اسلام کے تمام احکام بیان کر دیے اور کہا: پس ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے، وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب لایا، ہم نے اس کی پیروی کی۔

حبشہ میں پناہ لینے کا سبب: پس ہم نے ایک اللہ کی عبادت کی، کسی کو اس کا شریک نہیں بنایا اور ان تمام چیزوں کو حرام جانا جو ہم پر حرام کی گئیں اور ان چیزوں کو حلال جانا جو ہم پر حلال کی گئیں، ہماری قوم نے ہم پر ظلم وزیادتی کی، انہوں نے ہمیں تکلیفیں پہنچائیں اور دین کے متعلق مصیبتوں میں مبتلا کیا، تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پوجا کی جانب لوٹا دیں، ان تمام بری چیزوں کو حلال سمجھ لیں جنہیں ہم پہلے حلال سمجھا کرتے تھے، جب ان لوگوں نے ہمیں مجبور کیا، ظلم ڈھائے، ہمارے لیے زندگی کا میدان تنگ کر دیا اور دین کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے لگے تو ہم آپ کے ملک کی جانب نکل آئے، ہم نے آپ کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی، آپ کی ہمسائیگی کی جانب ہمیں رغبت ہوئی اور اے بادشاہ! ہمیں امید ہوئی کہ آپ کے پاس ہم پر ظلم نہ ہوگا۔

سورۂ مریم کی تلاوت: حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: نجاشی نے کہا: یہ رسول اللہ کے پاس

سے جو کچھ لایا ہے، کیا اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟ جعفرؓ نے کہا: ''ہاں''، نجاشی نے کہا:
وہ مجھے پڑھ کر سناؤ، چنانچہ انہوں نے اسے کھیعص (سورہ مریم) کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا،
حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: واللہ! پھر تو نجاشی رو پڑا، یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر بتر ہوگئی، جب
اس کے علما نے یہ کلام سنا تو وہ بھی اتنا روئے کہ ان کے صحیفے بھیگ گئے، پھر نجاشی نے کہا: بے شک
یہ چیز اور وہ چیز جو عیسیٰؑ لائے تھے ایک ہی طاق سے نکلی ہوئی روشنی ہے، تم دونوں (قریش کے سفیر)
چلے جاؤ نہیں، واللہ! انہیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا اور نہ ان کے متعلق ایسا ارادہ کیا جائے گا۔

قریشی سفیروں کی ایک اور تدبیر: جب وہ دونوں اس کے پاس سے نکل کر باہر آئے تو
عمرو بن العاصؓ نے کہا: واللہ! کل میں اس کے پاس ان لوگوں کے متعلق ایسی چیزیں پیش کروں گا
کہ اس کے ذریعے سے ان کی جماعت کو جڑ سے اکھاڑ ڈالوں گا، حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: عبداللہ
ابن ابی ربیعہؓ نے جو ہمارے متعلق ان دونوں میں زیادہ خوف خدا رکھنے والا تھا، کہا: ایسا نہ کرنا،
کیوں کہ ان لوگوں سے ہمارا رشتہ ہے، اگرچہ انہوں نے ہماری مخالفت کی ہے، عمرو بن العاصؓ
نے کہا: واللہ! میں نجاشی کو اس بات کی خبر دوں گا کہ ان لوگوں کا عقیدہ عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے
میں یہ ہے کہ وہ ایک بندے تھے، دوسرے روز سویرے وہ نجاشی کے پاس پہنچے اور کہا: اے
بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں ایک بری بات کہتے ہیں، آپ انہیں بلوائیے اور ان
سے دریافت کیجیے کہ وہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو بلوا بھیجا،
تاکہ عیسیٰؑ کے متعلق ان سے دریافت کرے، ام المومنین نے فرمایا: ایسی آفت ہم پر کبھی نہیں آئی
تھی، سب کے سب جمع ہوئے اور بعض نے کہا عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق وہ تم سے سوال کرے گا تو
کیا کہو گے؟ انہوں نے کہا: واللہ! ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے کہا ہے اور جو ہمارے نبی ﷺ
ہمارے پاس لائے ہیں، اس میں چاہے جو بھی ہو، فرمایا: جب یہ لوگ نجاشی کے پاس گئے تو اس
نے کہا: عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق تم لوگ کیا کہتے ہو؟ جعفر بن ابی طالبؓ نے کہا: ہم ان کے متعلق
وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ ہمارے پاس لائے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول،
اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریمؑ کی جانب ڈال دیا، نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین
پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا: '' واللہ! جو کچھ تم نے کہا، اس سے اس تنکے کے برابر بھی عیسیٰ بن مریمؑ

زیادہ نہیں''۔

درباریوں کی ناراضی: جب نجاشی نے یہ الفاظ کہے تو جو علما اس کے گرد بیٹھے تھے وہ ناک
سے آوازیں نکالنے لگے (یعنی ناراضی ظاہر کی)، نجاشی نے کہا: خواہ تم ناک سے آوازیں نکالو یا
کچھ اور، واللہ! تم چلے جاؤ فانتم شیوم بارضی تم میری سرزمین میں بے خوف ہو، جو تمہیں
برا بھلا کہے، اس سے بدلہ لیا جائے گا، یہ کلمہ تین مرتبہ دہرایا، ساتھ ہی کہا: ما احب ان لی دبر
من ذھب ۔ (مجھے اس کی خواہش نہیں کہ سونے کا ایک پہاڑ مل جائے)

ابن ہشام نے دبر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: بعضوں نے دبرا من ذھب کہا اور
فانتم شیوم وانی اذیت رجلا منکم کے الفاظ روایت کیے ہیں، یعنی تم بے خوف ہو،
میں نے تم میں سے بعض کو تکلیف دی، دبر کے معنی زبان حبشہ میں جبل یعنی پہاڑ کے ہیں، پھر
نجاشی نے کہا: قریش کے دو سفیروں کے ہدیے انہیں واپس کردو، مجھے ان کی ضرورت نہیں، اللہ
کی قسم! جب اللہ نے میری حکومت مجھے واپس دی تو مجھ سے اس نے کوئی رشوت نہیں لی کہ میں
کوئی رشوت لوں، اللہ نے میرے بارے میں وہ نہیں کیا جو لوگ چاہتے تھے، پھر میں کیوں اللہ کے
بارے میں بے سمجھے بوجھے لوگوں کی بات مان لوں۔

حبشہ میں بغاوت: ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: پھر تو وہ دونوں (قریش کے سفیر)
اس کے پاس ملول و ناراض ہو کر نکلے اور انہوں نے جو پیش کیا تھا، وہ انہیں واپس کر دیا گیا اور ہم
اس کے پاس بہترین پڑوس میں رہنے لگے، واللہ! ہم اسی حالت میں تھے کہ ایکا ایکی ایک حبشی
نجاشی کی مخالفت پر اتر آیا اور اس کی حکومت سے کش مکش کرنے لگا، فرمایا: واللہ! میں نے اپنے
لوگوں کو اس وقت سے زیادہ رنجیدہ کبھی نہیں دیکھا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں اس شخص نے نجاشی پر
غلبہ پالیا تو ایسا شخص آئے گا جو ہمارے وہ حقوق نہ سمجھے گا جو نجاشی سمجھتا تھا، پھر نجاشی اس کے
مقابلے کے لیے چلا اور ان دونوں کے درمیان دریائے نیل کا عرض تھا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب
نے کہا: کون ایسا ہے جو باہر نکلے اور ان لوگوں کے واقعات جان کر ہمیں خبر دے؟ زبیر بن العوامؓ
نے کہا، میں اس کام کو انجام دیتا ہوں، ان لوگوں نے کہا تم یہ کام کرو گے؟ اور وہ سب سے زیادہ
کم سن تھے، سب نے ان کے لیے ایک مشک میں ہوا بھردی، انہوں نے اسے اپنے سینے کے

نیچے رکھا اور اس پر تیرتے چلے، یہاں تک کہ نیل کے اس کنارے پر پہنچے جہاں ان لوگوں کے ملنے کی جگہ تھی، ہم اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے تھے کہ نجاشی اپنے دشمن پر غلبہ پائے اور اپنے ممالک میں اسے پوری قدرت حاصل رہے، واللہ! ہم ایسی حالت میں ہونے والی بات کے منتظر تھے کہ ایکا ایکی زبیرؓ نکلے، وہ دوڑتے چلے آرہے تھے اور اپنی چادر سے اشارہ کررہے تھے، خوش ہوجاؤ کہ نجاشی نے فتح پائی، اللہ تعالیٰ نے دشمن کو برباد کردیا اور نجاشی کا اقتدار ملک میں بحال ہوگیا، ام المومنین نے فرمایا، واللہ! میں نے اپنے لوگوں کی اس وقت کی سی خوشی بھی کبھی نہیں دیکھی، اس کے بعد نجاشی ایسی حالت میں واپس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو برباد کرڈالا تھا اور اسے ملک میں پورا اقتدار حاصل ہوگیا تھا، حکومت حبشہ اس کے لیے مستحکم ہوگئی اور ہم اس کے پاس بڑی عزت سے رہے، یہاں تک کہ ہم رسول اللہؐ کے پاس آئے، جب آپ مکہ میں تھے۔[۲]

نجاشی کی ابتدائی زندگی: ابن اسحاق نے زہری سے روایت کی "زہری نے کہا: میں نے عروہ بن زبیرؓ سے ابوبکر بن عبدالرحمانؒ کی حدیث ام المومنین ام سلمہؓ کی روایت سے بیان کی تو انہوں نے کہا، کیا تمہیں خبر ہے کہ نجاشی کے اس قول کے کیا معنی ہیں؟ جب اللہ نے میری حکومت مجھے واپس دی تو مجھ سے اس نے کوئی رشوت نہیں لی کہ میں اس کے متعلق کوئی رشوت لوں اور لوگ میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے تھے، اللہ نے وہ نہ کیا، پھر میں کیوں اللہ کے معاملے میں لوگوں کی بات بے سمجھے بوجھے مان لوں؟ زہری نے جواب دیا نہیں، ام المومنین عائشہؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ نجاشی کا باپ اپنی قوم کا بادشاہ تھا اور نجاشی کے سوا اس کی کوئی اولاد نہ تھی، اس کا ایک چچا تھا جس کے بارہ صلبی بیٹے تھے اور حبشیوں کی حکومت والے خاندان سے تھے تو حبشہ والوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم نجاشی کے باپ کو مار ڈالیں اور اس کے بھائی کو حکومت کا مالک بنائیں تو بہتر ہوگا، کیوں کہ اس کے بجز اس لڑکے کے اور کوئی اولاد نہیں اور اس کے بھائی کے بارہ صلبی بیٹے ہیں، یہ اس کے بعد حکومت کے وارث ہوں گے تو حبشہ کی حکومت محفوظ ہوجائے گی۔

والد کا قتل اور نجاشی کی غلامی: آخر انہوں نے نجاشی کے باپ پر دست درازی کرکے اسے قتل کرڈالا اور حکومت اس کے بھائی کے حوالے کی، ایک رات اس حالت میں گزری، نجاشی نے اپنے چچا کے ساتھ نشوونما پائی، وہ لوگوں میں بڑا ہوشیار اور بڑا عقل مند تھا، اس نے اپنے چچا

کے حالات پر غلبہ حاصل کرلیا اور ہر جگہ اس کے ساتھ رہنے لگا، حبشہ والوں نے اس کا اقتدار دیکھا تو آپس میں کہا، واللہ! اس لڑکے نے تو اپنے چچا کے حالات پر قابو پالیا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ کہیں چچا اسے ہم پر حاکم نہ بنادے، اگر اس نے ہم پر حاکم بنادیا تو وہ ہم سب کو قتل کرڈالے گا، اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ ہم نے اس کے باپ کو قتل کیا ہے، لہٰذا وہ سب مل کر اس کے چچا کے پاس گئے اور کہا: یا تو اس چھوکرے کو قتل کردو یا ہمارے درمیان سے نکال دو، کیوں کہ ہمیں اپنی جانوں کے بارے میں ڈر لگا ہوا ہے، اس نے کہا: کم بختو! کل تم نے اس کے باپ کو قتل کیا اور آج میں اسے قتل کردوں؟ ہاں اسے تمہارے ملک سے نکال دیتا ہوں، ام المومنین نے فرمایا: لوگ اسے لے کر بازار گئے اور تاجروں میں سے ایک تاجر کے ہاتھ چھ سو درہم میں بیچ ڈالا، وہ کشتی میں لے چلا، یہاں تک کہ جب اس دن کی شام ہوئی تو خریف کے ابر میں سے ایک ابر پارے میں جوش پیدا ہوا، اس کا چچا بارش کی طلب کے لیے اس کے نیچے گیا تو اس پر بجلی گری اور وہ ہلاک ہوگیا، ام المومنین نے فرمایا: پھر حبشہ والے اس کے لڑکوں کی طرف دوڑے، معلوم ہوا کہ اس کے سب کے سب لڑکے احمق ہیں، اس کی اولاد میں کوئی بھی صحیح دماغ والا نہیں، آخر حکومت حبشہ میں فساد ہوگیا اور جب وہ اس حالت سے تنگ ہوگئے تو ان میں سے بعض نے کہا، تم یہ سمجھ لو کہ واللہ! تمہارا بادشاہ جس کے بغیر تمہارے معاملوں کی درستی نہیں ہوسکتی ہے، وہ ہے جسے تم نے سویرے بیچ ڈالا، اگر حبشہ کی حکومت کے لیے تمہیں کسی کی ضرورت ہے تو اسے ڈھونڈ نکالو۔

حکومت کی بحالی: پھر وہ اس کی تلاش میں نکلے اور اس شخص کے پیچھے گئے جس کے ہاتھ اسے بیچا تھا، یہاں تک کہ اسے ڈھونڈ نکالا اور واپس لے آئے، اس کے سر پر تاج رکھا اور تخت شاہی پر بٹھا کر حکومت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی، پھر اس کے پاس وہ تاجر آیا جس کے ہاتھ انہوں نے اسے بیچا تھا، اس نے کہا: یا تو میری رقم مجھے دے دو یا خود اسی سے اس معاملے میں گفتگو کرنے دو، انہوں نے کہا، ہم تجھے کچھ رقم وغیرہ نہیں دیتے، اس نے کہا، جب تو واللہ! میں خود اسی سے گفتگو کروں گا، انہوں نے کہا، جاؤ اسے پکڑو، اسے پکڑو، فرمایا وہ نجاشی کے پاس آکر سامنے بیٹھ گیا اور کہا، اے بادشاہ! میں نے فلاں کو فلاں لوگوں سے بازار میں چھ سو درہم کے عوض خریدا تھا، انہوں نے غلام میرے قبضے میں دیا اور مجھ سے میرے درہم لیے، آخر جب

میں اپنے غلام کو لے کر چلا تو انہوں نے پھر مجھے پکڑ کر مجھ سے میرے غلام کو لے لیا اور میرے درہم بھی انہوں نے روک لیے، نجاشی نے کہا، اس کے درہم اسے دے دینے چاہئیں، ورنہ اس کا غلام اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دے گا اور وہ جہاں چاہے گا اسے لے جائے گا، انہوں نے کہا، نہیں ہم اس کے درہم اسے دیں گے، اس لیے نجاشی نے کہا کہ " جب اللہ نے میری حکومت مجھے واپس دی تو مجھ سے اس نے کوئی رشوت نہیں لی کہ میں اس کے متعلق کوئی رشوت لوں، لوگ میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے تھے، اللہ نے نہ کیا، پھر میں کیوں اللہ کے متعلق لوگوں کی بات بے سمجھے بوجھے مان لوں "۔[۳]

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ عزت وذلت حکومت واختیار صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ کی قوت اس پر صادق آئی۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ [۴]	کہو اے اللہ، ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کرے، بھلائی تیرے اختیار میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ سے روایت بیان کی ہے، جب نجاشی کا انتقال ہوا تو بیان کیا جاتا تھا کہ اس کی قبر پر نور نظر آیا کرتا تھا۔

ایک اور بغاوت: جعفر بن محمدؒ سے نجاشی کے متعلق ایک اور روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: حبشہ کے لوگ جمع ہوئے اور نجاشی سے کہا تو نے ہمارے دین سے علاحدگی اختیار کرلی ہے، اس لیے ہم تیری اطاعت نہیں کریں گے، چنانچہ انہوں نے بغاوت کردی، نجاشی نے جعفر اور ان کے ساتھیوں کو بلوا بھیجا اور ان کے لیے کشتیاں تیار کر کے کہا، آپ سب ان میں سوار ہو جائیں اور اسی حالت میں ٹھہرے رہیں، اگر میں شکست کھا جاؤں تو جہاں آپ چاہیں چلے جائیں اور اگر میں نے فتح پائی تو آپ سب یہیں رہیں، پھر اس نے ایک کاغذ منگوایا اور اس میں لکھا وہ (یعنی نجاشی) گواہی دیتا ہے، اس بات کہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے

بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہ گواہی دیتا ہے اس بات کہ کہ عیسی بن مریم اس کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے مریم کی جانب ڈالا ہے، پھر اس نے سیدھے بازو کی طرف قبا کے اندر رکھ لیا اور حبشہ کی جانب چلا۔[۵]

نجاشی کے اسلام کا اعلان: نجاشی کے اسلام قبول کرنے سے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ نجاشی نے کہا: اے گروہ حبشہ! کیا میں تم سب سے زیادہ حق دار نہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، نجاشی نے کہا، پھر تم نے میری سیرت کیسی پائی؟ انہوں نے کہا: بہترین، نجاشی نے کہا، پھر تمہیں ہوا کیا ہے؟ انہوں نے کہا، تو نے ہمارے دین سے علاحدگی اختیار کی ہے اور تو نے اس بات کا ادعا کیا کہ عیسیٰ ایک بندہ ہے، نجاشی نے کہا، اچھا تم عیسیٰ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا، ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، نجاشی نے ہاتھ اپنے سینے پر قبا کے اوپر رکھا، گواہی دی یعنی وہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ عیسیٰ بن مریم اس سے زیادہ کچھ نہیں، نجاشی کی مراد تو وہی تھی جو اس نے لکھا تھا (اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس نے ہمارا عقیدہ تسلیم کرلیا) لہٰذا وہ راضی ہوگئے اور واپس چلے گئے، یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچی، جب نجاشی کا انتقال ہوا تو آپ نے اس کی غائبانہ نماز پڑھی اور اس کی بخشش کی دعا فرمائی۔[۶]

بخاری میں منقول حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق پسند نجاشی مسلمان یوں ہے کہ:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین مات النجاشی مات الیوم رجل صالح فقوموا صلوا علی اخیکم اصحمہ ۔[۷]	جب نجاشی کا انتقال ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا، ایک نیک بخت نجاشی کا انتقال ہوا، اٹھو اپنے بھائی اصحمہ کے جنازے کی نماز پڑھو۔

نجاشی سے آپؐ کے تعلق کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ام کلثومؓ فرماتی ہیں کہ جب نبیؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا تو ان سے فرمایا، میں نے نجاشی کو چند اوقیہ مشک اور چند جوڑے ہدیے میں بھیجے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ فوت ہوگئے ہیں اور یہ ہدیہ واپس آجائے گا، اگر واپس آجائے تو وہ سب تمہارا ہے، نبیؐ کا گمان صحیح نکلا، نجاشی فوت ہوگئے اور ہدیہ واپس آگیا، پھر آپ نے ہر ایک عورت کو ایک ایک اوقیہ مشک دی اور باقی ام سلمہؓ کو دے دی اور انہیں تمام

جوڑے بھی دے دیے۔ ۸

اصحاب رسولؐ کے حبشہ ہجرت کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ جو شخص اسلام لے کر جہاں جاتا وہاں لوگ اس کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اس کے مزید قریب آتے اور انہیں اس کے دین کے متعلق تجسس ہونے لگتا، چنانچہ ایسے ہی افراد کا ایک وفد حضور پاکؐ سے ملنے مکہ آیا۔

متلاشی حق اہل کتاب کی شہادت: جب حبشہ کے نصرانیوں کو رسول اللہؐ کی نبوت کے بارے میں معلوم ہوا تو وہاں سے تقریباً بیس افراد پر مشتمل ایک وفد مکہ مکرمہ میں رسول اللہؐ سے ملنے کے لیے آیا، آپ اس وقت مسجد حرم میں تھے، وہ آپ کے پاس آکر بیٹھے اور گفتگو کی، جب قریش کے لوگ کعبۃ اللہ کے اطراف میں اپنی اپنی مجلس میں بیٹھے تھے، نصرانیوں کا یہ وفد رسول اللہؐ سے جو سوالات کرنا چاہتے تھے کر چکے تو آپ نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا، جب قرآن کی تلاوت سنی تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، انہوں نے دعوت قبول کی اور اللہ پر ایمان لائے، ان کی کتابوں میں آپ کے جو اوصاف درج تھے، انہوں نے اسے جان لیا اور ان کی تصدیق کی۔

پھر جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر جانے لگے تو ابو جہل بن ہشام قریش کے چند لوگوں کے ساتھ ان کو راہ میں آملا اور ان سے کہا اللہ تمہارے اس قافلے کو محروم رکھے، جسے تمہارے دین کے ان لوگوں نے بھیجا ہے جو تم سے پیچھے رہ گئے ہیں کہ تم ان کے لیے راہ کا نشیب و فراز دیکھو اور اس شخص کے حالات ان تک پہنچاؤ، تم تو اس شخص کے پاس اطمینان سے بیٹھے بھی نہیں کہ اپنا دین چھوڑ دیا اور اس نے جو کچھ کہا اس پر تم نے آمنا و صدقنا کہہ دیا، تمہارا سا احمق قافلہ تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا (یا اس طرح کی باتیں کہیں)، انہوں نے کہا تمہیں ہمارا اسلام ہے، ہم تم سے جہالت میں مقابلہ نہیں کرنا چاہتے، ہم اپنے طریقے پر قائم ہیں، تم اپنے طریقے پر قائم رہو، ہم نے اپنے لیے بھلائی کی طلب میں کوتاہی نہیں کی۔ ۹

بعض کے نزدیک یہ قافلہ نجران کے نصرانیوں کا تھا، مگر نجران کے نصرانیوں کا قافلہ مدینہ میں آیا تھا، نہ کہ مکہ میں، روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ آپ کی مکی زندگی کا ہے نہ کہ مدنی، ابن شہاب الزہری کے مطابق سورۂ قصص کی آیت:

اَلَّذِیْنَ آتَیْنٰهُمُ الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْا آمَنَّا بِهٖ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَا اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ لَا نَبْتَغِی الْجَاهِلِیْنَ ۱۰

جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبارہ دیا جائے گا، اس ثابت قدمی کے بدلے جو انہوں نے دکھائی وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب انہوں نے بے ہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ "ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے" تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔

ابن شہاب زہری کی روایت یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیات بھی اس سے متعلق ہیں:

ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا

یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا راہب پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے، جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسولؐ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں، وہ بول اٹھتے

مَعَ الشَّاهِدِيْنَ [۱۱]

ہیں کہ "پروردگار" ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔

اسلام دین فطرت ہے، چنانچہ ہر سلیم الفطرت انسان کے لیے قابل عمل اور قابل قبول ہے، مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کو بلا کم وکاست پیش کیا جائے اور حالات کتنے بھی ناموافق کیوں نہ ہوں، کبھی بھی جھوٹ، فریب اور دھوکا کا سہارا نہ لیا جائے۔

حبشہ میں اسلام کی قدر اور حق پسند اہل کتاب کی اسلام سے محبت اسی فطری عمل کا نتیجہ ہے جو زبان ومکالمے سے بالاتر ہو کر حق پسندوں کے دل میں جاگزیں ہوتا چلا گیا۔

حاشیہ

[۱] ابن ہشام، باب ۵۲۔ [۲] ایضاً۔ [۳] القرآن الکریم، سورۂ آل عمران، آیت ۲۶۔ [۴] ابن ہشام، ایضاً۔ [۵] ایضاً۔ [۶] بخاری، صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب موت النجاشی، حدیث نمبر ۱۰۵۹۔ [۷] ابن سعد، طبقات ابن سعد، حصہ ہشتم، ترجمہ مولانا راغب رحمانی، کراچی، نفیس اکیڈمی، طبع چہارم، اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۷۔ [۸] ابن ہشام، جلد اول، باب ۵۹۔ [۹] القرآن الکریم، سورۃ القصص، آیت ۵۲-۵۳۔ [۱۰] ایضاً۔ [۱۱] سورۃ المائدہ، آیت ۸۲-۸۳۔

عہد حاضر میں علامہ شبلی کی بعض تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت

از:- ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ☆

علامہ شبلی نے ۳۲ ربرس تک ملک وملت کو اپنی شعلہ نفسیوں سے گرم، اپنی نوا سنجیوں سے پرشور اور اپنی ولولہ انگیزیوں سے بیدار رکھا اور مختلف اسلوب وانداز میں مسلمانوں کے عزت ووقار اور اسلام کی عظمت وسربلندیوں کا سامان کیا، اس کے لیے انہوں نے قوم کے سامنے متعدد تجاویز پیش کیں اور عملی جدوجہد کے منصوبے بنائے جو نہ صرف ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے بلکہ ہماری تاریخ کا روشن ترین باب بھی ہے، راقم نے اس مضمون میں ان کے اسی طرح کے منصوبوں اور تجویزوں کا ذکر کیا ہے۔

شبلی کی انفرادیت ان کا جذبہ اخلاص، دینی غیرت اور ملی حمیت ہے، انہیں جہاں اسلام اور مسلمانوں کی فوز وفلاح اور روشن مستقبل نظر آیا وہاں پورے جوش وجذبہ کے ساتھ سرگرم عمل ہوگئے، تحریک علی گڑھ اور تحریک ندوۃ العلما سے ان کی وابستگی ناموران اسلام کی تصنیف، شبلی کالج اور دارالمصنفین کا قیام اور سب سے آخر میں سیرۃ النبی کی تالیف وتدوین ان کے اسی فکر وتصور کا نتیجہ ہیں کہ مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں عزت ووقار اور اولوالعزمی کے ساتھ رہیں، اسلام اور اسلامی اقدار پر کسی قسم کی آنچ نہ آئے، ان کی تصنیفات بالخصوص یورپ کی چیرہ دستیوں اور مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں کے جوابات ان کے اسی جذبے کے پرتو ہیں۔

۱۸۸۳ء میں وہ علی گڑھ کالج اور علی گڑھ تحریک سے وابستہ ہوئے، بلاشبہ سرسید کی صحبت

☆ ادب کدہ، مہراج پور، انور گنج، اعظم گڑھ-۲۷۶۰۰۱

اور علی گڑھ کی فضانے ان کے فکروخیال میں انقلاب برپا کیا، اسی زمانہ (۱۸۸۳ء) میں انہوں
نے اپنے وطن اعظم گڑھ میں نیشنل اسکول کی بنیاد ڈالی تاکہ قوم کے بچے عصری علوم سے آراستہ
ہوکر قومی ترقی کے دست وبازو بنیں، اس اسکول کی انہوں نے علی گڑھ سے نگرانی وسرپرستی کی، ان
کی اسی جد وجہد اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ آج نیشنل اسکول مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ کے بعد
مسلمانوں کا عظیم الشان ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے، اس کے قیام کے پس پشت علامہ کے کیا مقاصد
تھے اور وہ کس قدر انہیں پورا کرسکا، ایک صدی بعد اس کا جائزہ ضروری ہے، اس سلسلے مکاتیب شبلی
سے جو باتیں واضح ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ انگریزی کی تعلیم اور اس میں مہارت پیدا کرنا۔[1]

۲۔ فارسی میں اچھی استعداد پیدا کرنا۔[2]

۳۔ اعلیٰ مذہبی تربیت گاہ بنانا۔[3]

ایک صدی سے زائد عرصے میں اس اسکول نے غیر معمولی ترقی کی ہے اور بڑے
باصلاحیت افراد پیدا کیے جنہوں نے ہندوستان اور بیرون ملک اس کی نیک نامی میں اضافہ کیا
ہے، البتہ فارسی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی اور نہ کوئی قابل ذکر کام انجام دیا گیا، علامہ شبلی
نے غایت تعلق کی بنا پر اپنا مجموعہ نظم شبلی فارسی کا حق کاپی رائٹ اسکول کو دے دیا تھا[4] مگر افسوس
کہ یہ مجموعہ ایک بار بھی اسکول کی طرف سے شائع نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اعلیٰ مذہبی تربیت گاہ
بنانے کی طرف سرے سے توجہ نہیں دی گئی، اور نہ اسلامی بورڈنگ[5] جس کا تصور شبلیؒ نے پیش کیا
تھا، آج تک قائم کیا گیا۔

ضرورت ہے کہ کالج کی منتظمہ اس کی تعمیر وترقی کے منصوبے بناتے وقت بانی ادارہ
کے تصورات کی روشنی میں کالج کا لائحہ عمل طے کرے۔

علامہ شبلی علی گڑھ میں جب یورپ کی تاریخی تحقیقات سے واقف ہوئے تو ان کو اندازہ
ہوا کہ مورخین یورپ نے اسلام اور اسلامی اقدار وروایات اور مسلمان حکمرانوں پر شدید تنقید اور
ان کی تنقیص کی تھی اور اسلام کی شبیہ خراب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، چنانچہ علامہ شبلی
نے ان کے ردوابطال کا ایک جامع منصوبہ بنایا جس کے تحت اسلامی حکومتوں کی نہایت مفصل اور

بسیط تاریخ لکھنا ان کی اولین ترجیح قرار پایا، مگر منصوبے کی طوالت کے پیش نظر اسے مختصر کرکے
تاریخ بنوعباس لکھنے پر اکتفا کرنا چاہا، مگر یہ کام بھی طویل نظر آیا تو اسے اور مختصر کرکے صرف نامور
فرماں روایان اسلام تک محدود کردیا اور ہر طبقہ سے محض ایک ایک نامور کا انتخاب کیا۔

علامہ شبلی جن نامور فرماں روایان اسلام کے حالات اور کارنامے قلم بند کرنا چاہتے تھے،
ان کے نام یہ ہیں: خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروقؓ، بنوامیہ میں ولید بن عبدالملک،
بنوعباس میں مامون الرشید، اندلسی بنوامیہ میں عبدالرحمٰن ناصر، بنوحمدان میں سیف الدولہ،
سلجوقیوں میں ملک شاہ، نوریہ میں نورالدین زنگی، ایوبیہ میں صلاح الدین ایوبی، موحدین اندلس
میں یعقوب بن یوسف اور ترکان روم میں سلیمان اعظم۔[6]

ان ناموروں میں سے علامہ شبلی نے اپنے منصوبے کے مطابق المامون اور الفاروق
لکھی اور نہایت ہی بلند رتبہ کتابیں سپرد قلم کیں، لیکن دوسرے ناموروں پر وہ اپنی دوسری
مصروفیات کی وجہ سے قلم نہ اٹھا سکے اور پھر کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی، حتی کہ ان کے تلامذہ
اور متوسلین نے بھی درخور اعتنا نہ کیا، دارالمصنفین کے قیام واستحکام کے بعد بھی اس سلسلہ کی
طرف توجہ نہیں دی گئی، دوسرے اہل قلم نے ان ناموروں پر جو کتابیں لکھیں، وہ علامہ شبلی کے
بلند معیار ومذاق کے مقابلہ میں کم رتبہ ہیں، یقیناً شبلی کے بلند معیار ومنہج پر اگر یہ کام ہوگیا ہوتا تو
ہمارے سرمائے میں گراں قدر اضافہ ہوتا اور مسلمان حکمرانوں کے صحیح کارناموں سے بچہ بچہ
واقف ہوتا۔

حکومت وسلطنت کے ان مشاہیر کے علاوہ علامہ شبلی علوم اسلامیہ کے بے تاج
بادشاہوں اور اصل فرماں روایان مملکت اور اہل علم ودانش کے حالات وسوانح بھی قلم بند کرنا
چاہتے تھے، وہ لکھتے ہیں:-

"اول اول جب مجھ کو اس (نامور فرماں روایان اسلام) کا خیال پیدا ہوا تھا تو
نہایت وسیع بنیاد پر ہوا، جس طرح میں نے خلافت وسلطنت کے مختلف خاندانوں سے
ہیروز انتخاب کیے تھے، ارادہ تھا کہ اسی طرح علوم وفنون کے جدا جدا خاندان قائم کیے
جائیں اور جو لوگ ان خاص خاص فنون میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے ان کو اس سلسلہ کا ہیرو

قرار دیا جائے مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا، مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا کر میں نے اس خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا بلکہ اس سلسلہ حکومت سے بہت سے خاندان چھوڑ دئے تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بھی سجایا جائے کہ السیف والقلم توامان" ۷۔

چنانچہ علامہ شبلی نے ان بے تاج بادشاہوں میں امام ابوحنیفہؒ (سیرۃ النعمان) امام غزالی (الغزالی) اور مولانا رومؒ (سوانح مولانا روم) پر معرکہ آرا کتابیں قلم بند کیں، علامہ ابن تیمیہ اور ابن رشد پر مختصر مگر جامع مضامین سپرد قلم کئے اور وہ مزید اس سلسلے کو آگے نہ بڑھا سکے، بعد میں ان کے تلامذہ نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھایا، امام رازی از مولانا عبدالسلام ندوی، ابن خلدون از مولانا عبدالسلام ندوی، حیات مالک از مولانا سید سلیمان ندوی، ابن رشد از مولانا محمد یونس انصاری فرنگی محلی، ابن تیمیہ از مولانا محمد یوسف کوکن عمری، خیام از مولانا سید سلیمان ندوی، وغیرہ دارالمصنفین کی مایہ ناز کتابیں دراصل اسی سلسلے کی مطبوعات ہیں، اس کو مزید بڑھایا جا سکتا تھا، تاہم دارالمصنفین نے اپنی بساط بھر اس کام کو انجام دیا البتہ ملک کے دوسرے اہل قلم نے اس سلسلہ کو شعوری طور پر آگے بڑھانے کی کوئی کوشش نہیں کی، یقیناً اس سلسلہ کی تکمیل سے ہمارے علمی خزانے میں گراں قدر اضافہ ہوتا اور علامہ شبلی کے فکر و خیال کی ترویج میں اس سے مدد ملتی۔

۱۸۹۶ء میں جب علامہ شبلی مدرسۃ العلوم میں پروفیسر اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین (اردو سیکشن) کے مدیر تھے، قوم کے سامنے اسلامی کتابوں کی اشاعت کی تجویز پیش کی، ان کا خیال تھا کہ یورپ میں قدیم اور نادر کتابوں کی تلاش و جستجو اور طبع و اشاعت کے لیے متعدد انجمنیں قائم ہیں، جو بیش بہا خدمت انجام دے رہی ہیں، حتی کہ خود مسلمانوں کی نادرالوجود کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر شائع کر رہی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ یہ کام ہم خود انجام دیں اور دنیا کو بتائیں کہ مسلمانوں نے علوم و فنون کا کس قدر گراں مایہ ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے ۸۔

اس تجویز کو وہ خود عملی جامہ نہ پہنا سکے اور نہ ہی اس کے لیے انہوں نے کوئی انجمن بنائی، یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین جب کوئی نادر اسلامی کتاب شائع کرتے تو وہ بڑے

جوش و جذبہ کے ساتھ اس کا تعارف کراتے اور اس بات کا ذکر حسرت سے کرتے کہ یہ کام ہمارا تھا، انہیں اس پر بھی افسوس تھا کہ دنیا بھر میں مسلمان پھیلے ہوئے ہیں، ریاست و حکومت کے مالک ہیں پھر بھی یہ کام وہ نہیں کرتے، مقالات شبلی جلد پنجم جو نادر کتابوں کے تعارف و تبصرے پر مشتمل ہے تقریباً تمام مضامین کی ابتدا اسی حسرت و یاس سے ہوئی، طبقات ابن سعد کی اشاعت پر لکھتے ہیں:-

"ہم کو فیاض دلی سے اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ یورپ کو آج کل ہمارے علوم و فنون کے ساتھ جو اعتنا ہے اور جس طرح وہ ہمارے قدیم خزانوں کے بیش بہا نوادر ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیدا کر رہا ہے ہم خود نہیں کرتے، بلکہ نہیں کر سکتے، مسلمانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آج تک یورپ نے عربی کی کون کون سی نایاب کتابیں نہایت اہتمام کے ساتھ چھاپ کر شائع کیں" ۔ ۹

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"یورپ نے ہماری یادگاروں کو زندہ کرنے میں جو کام کیے ہیں، وہ کیا کم ہیں ان ہی کی بہ دولت فن حرب کی وہ کتاب شائع ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اس فن کے علمی اصول مرتب کیے تھے اور ان کا فن جنگ موجودہ فن جنگ کا مکمل خاکہ تھا، یورپ کی بہ دولت زہراوی کی کتاب فن تشریح سے متعلق چھپ کر شائع ہوئی جس میں کئی سو آلات تشریح کی تصویریں اور ان کے استعمال کے طریقے درج ہیں......

...... یورپ ہی کی بہ دولت تاریخ طبری، طبقات ابن سعد اور تاریخ الحکما وغیرہ کا پتہ لگا جو گویا دنیا سے ناپید ہو گئی تھیں" ۔ ۱۰

علامہ شبلی کے ایک خط سے ان اسباب کا پتہ چلتا ہے کہ آخر وہ کیوں یہ کام نہیں کر سکے، وہ لکھتے ہیں:-

"مولوی سید علی کے کتب خانے میں عربی مطبوعات یورپ دیکھ کر سخت حیرت زدہ رہ گیا، علمی زمین نے اپنے خزانے اگل دئے ہیں کیا کہوں اپنے علما کی بدقسمتی اور اپنی مفلسی پر افسوس آتا ہے" ۔ ۱۱

اپنی مفلسی اور علما کی بدقسمتی پر انہوں نے جو آنسو بہائے وہ رائیگاں نہیں گئے، ان کی بدولت اس تجویز کی طرف توجہ دی گئی اور بالآخر ان کی خواہش پوری ہوئی، مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:-

"قدیم عربی کتابوں کی اشاعت کی جو تجویز انہوں نے ۱۸۹۶ء میں پیش کی تھی گووہ اس وقت پوری نہیں ہوئی، لیکن عجیب بات ہے کہ جن قلمی کتابوں کی اشاعت کا نام انہوں نے لیا تھا، ان میں سے ایک (مناقب شافعی للرازی) کے سوا سب کتابیں ان کی زندگی میں چھپ گئیں اور دائرۃ المعارف جس کے نام سے ان کو مایوسی تھی، ان کے حبیب صمیم اور بانی کار کے خلف الرشید اور ان کی درس گاہ کے چند تعلیم یافتوں کے ہاتھوں اس کی ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ اس باب میں مولانا مرحوم کے اکثر ادارے پورے ہوگئے"۔ [۱۲]

علامہ شبلی کی ایک اہم تجویز مدارس اسلامیہ کے قدیم نصاب تعلیم کی اصلاح سے متعلق تھی انہوں نے قدیم نصاب تعلیم کا گہرائی سے جائزہ لیا، کمیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی اور ثابت کیا کہ وہ قابل اصلاح ہے [۱۳] اور نئے زمانے اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام کوششوں کے باوجود وہ نہ مفید ثابت ہو رہا ہے اور نہ ایسے علما پیدا ہو رہے ہیں جو نئے نئے حالات کا مقابلہ کرسکیں۔

اس کے لیے انہوں نے علمی اور عملی طور پر بڑی جدوجہد کی، ندوہ کے نصاب کو اپنی فکر کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، گو انہیں پورے طور پر کامیابی نہیں ملی، تاہم یہ ان کا بڑا اہم کارنامہ ہے۔

قدیم نصاب تعلیم کی اصلاح کے لیے آج بھی رک رک کر صدائیں بلند ہوتی ہیں، مذاکرے اور مباحثے ہوتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ علامہ شبلی کے پھونکے ہوئے اس صور سے کسی کو مفر نہیں، اگر علامہ شبلی کی اصلاحات آج بھی ہو بہو قبول کرلی جائیں تو یقیناً ہمارا موجودہ علمی و تعلیمی منظر نامہ بدل سکتا ہے۔

ہماری پس ماندگی کے متعدد وجوہ میں ایک وجہ یہ بھی ہے تاہم علامہ شبلی کے تعلیمی

نظریات پر عمل کرکے اسے دور کیا جاسکتا ہے۔

علامہ مرحوم نے اس دور میں جب انگریزی تعلیم کو کفر تصور کیا جاتا تھا، اس کی حمایت کی ان کا خیال تھا کہ اسلام پر یورپ کے حملے کا جواب اور اس کا دفاع انگریزی علوم حاصل کیے بغیر صحیح طور سے نہیں کیا جاسکتا۔ [۱۴] وہ انگریزی کے ساتھ ہندی اور سنسکرت کی تعلیم بھی مسلمانوں کے لیے ضروری خیال کرتے تھے، دارالعلوم ندوہ میں انہوں نے ہندی اور سنسکرت کی تعلیم کا شعبہ قائم کیا اور اس کی تعلیم کے لیے ایک پنڈت مقرر کیا [۱۵] اس سے ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں پر آریوں کی طرف سے جو حملے ہو رہے ہیں ان کا جواب ہندی و سنسکرت سے واقفیت کے بغیر خاطر خواہ طور پر نہیں دیا جاسکتا۔

ایک صدی گذر جانے کے بعد علامہ شبلی کے ان افکار و خیالات کی معنویت اہل علم پر عیاں ہے، اگر ۱۰۰ سال پہلے کی پیش کردہ ان تجویزوں پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دوراندیش شبلی کے خیالات صدفی صد درست تھے اور آج ہم جن مراحل سے گذر رہے ہیں ان میں انگریزی، ہندی اور سنسکرت زبانوں کے بغیر برادران وطن سے نبرد آزما نہیں ہوسکتے۔

علامہ شبلی کے دور میں قرآن مجید کے جتنے ترجمے یورپین زبانوں میں تھے وہ سب عیسائیوں کے قلم سے تھے جس میں انہوں نے بددیانتی سے کام لیا تھا اور جابجا تاویلات و تلبیسات کی تھیں، ان ترجموں کی بنیاد پر وہ غلط فہمیاں پھیلا رہے تھے اور حکمران انگریز انہیں سے استفادہ کرکے مسلمانوں کے عائلی مسائل میں رخنہ انداز ہوتے تھے، اس لئے علامہ مرحوم کو ایک صحیح اور مستند ترجمہ قرآن کا خیال پیدا ہوا جسے انہوں نے ایک تجویز کے طور پر پیش کیا اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ غیر مسلم قران مجید سے استفادہ کریں تو صحیح اور مستند ترجمہ ان کے پیش نظر رہے، علامہ کی اس تجویز کی بڑی پذیرائی ہوئی اور اسے عملی جامہ پہنانے کی کوششیں کی گئی، نواب سید حسین بلگرامی نے اس کا ذمہ لیا، بعض روسا نے اس کے اخراجات کی ذمہ داری قبول کی، پانچ پاروں کا ترجمہ شائع ہوا۔ [۱۶] مگر پھر علامہ شبلی نے اچانک وفات پائی اور یہ کام آگے نہ بڑھ سکا، البتہ بعد کے لوگوں نے یہ کارنامہ انجام دیا اور اس سلسلہ کی علامہ کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں۔

علامہ شبلی شعرالعجم سے پہلے شعرالعرب لکھنا چاہتے تھے، مگر وہ شعرالعجم پر شعرالعرب کو

ترجیح نہ دے سکے تاہم یہ خیال ان کے دل سے نہ گیا، ابن رشیق کی کتاب العمدہ چھپ کر آئی تو ان کے خیال میں پھر تحریک پیدا ہوئی اور اس پر ایک طویل تبصرہ لکھ کر اس کا آغاز کیا۔ ۱۷؎ تاہم وہ اسے پورا نہ کر سکے، ان کے بعد ان کے شاگرد عزیز مولانا عبدالسلام ندوی نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا مگر وہ بھی اسے پایہ تکمیل تک نہ پہونچا سکے اور اب تک یہ کام شعر العجم کے معیار و مذاق کے مطابق انجام نہ پاسکا، یہ کتاب بھی اگر وجود میں آجاتی تو شعر العجم ہی کی طرح اردو میں ایک معرکہ آرا کتاب اضافہ ہوتا۔

علامہ شبلی نے ایک اور تجویز علم کلام سے متعلق پیش کی، ان کا خیال تھا کہ جدید علم کلام نامکمل اور ناقص ہے اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ عباسیوں کے زمانے میں جب فلسفہ اور علوم عقلیہ کا رواج ہوا تو سیکڑوں ہزاروں اشخاص کے مذہبی عقائد متزلزل ہو گئے ۱۸؎، چنانچہ مسلمانوں میں علوم عقلیہ اور فلسفہ کے ماہرین پیدا ہوئے اور انہوں نے اس سیلاب کو روکا، موجودہ دور میں جب کہ یورپ کی تحقیقات عام ہو رہی ہیں اور جدید خیالات قوم میں پھیل رہے ہیں علما میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس نے یورپ کا فلسفہ اور سائنس حاصل کیا ہو ۱۹؎، اس لیے ضروری ہے کہ ایک کمیٹی ''مجلس علم کلام'' بنائی جائے جس میں بقول علامہ شبلی:-

''قدیم علما اور جدید تعلیم یافتہ دونوں گروہ کے لوگ ممبر ہوں، قدیم علما اس بات کا فیصلہ کریں کہ جو عقائد اور مسائل فلسفہ کے خلاف بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے کون سے مسائل درحقیقت اسلام کے اصل عقائد ہیں اور کون سے نہیں، جدید تعلیم یافتہ گروہ اس بات کا فیصلہ کرے، جن چیزوں کو فلسفہ کے مخالف کہا جاتا ہے وہ درحقیقت فلسفہ کے مخالف ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو فلسفہ کی تحقیقات کہاں تک یقینی اور قطعی ہے''۔ ۲۰؎

اس کمیٹی میں انہوں نے قدیم و جدید تعلیم یافتہ دونوں گروہ کو شامل کیا تھا، علما میں مفتی عبداللہ ٹونکی، مولانا حمید الدین فراہی اور مولوی عبدالقادر بی اے شامل تھے۔ ۲۱؎

اس سلسلے میں انہوں نے مذکورہ اشخاص سے خط و کتابت کی اور اسے ایک مجلس کی شکل دینے کی کوشش کی مگر یہ کام اس سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔

علامہ شبلی نے تقریباً سو سال پہلے یہ تحریک چلائی تھی، موجودہ دور میں یہ کام اور زیادہ

اہمیت کا حامل ہو گیا ہے، سائنسی تحقیقات کا یہ دور عروج ہے روز نت نئے انکشافات ہو رہے ہیں، اس لیے علامہ شبلی کے دور کے مقابلے میں آج مجلس علم کلام وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔

علامہ شبلی مدۃ العمر مخالفین اسلام بالخصوص مستشرقین کے حملوں کا جواب دیتے رہے، الجزیہ، کتب خانہ اسکندریہ، حقوق الذمیین، مضامین عالم گیر وغیرہ جیسے مقالات اور ان کی تصنیفات المامون، الفاروق، سیرۃ النعمان، الانتقاد اور خود سیرۃ النبی دراصل مستشرقین کے جوابات ہی ہیں، ان کے آخری دور میں ارتداد کا فتنہ برپا ہوا اور آریوں نے بڑے منظم انداز میں مسلمانوں کے عقائد و خیالات پر حملے شروع کیے اور نو مسلموں کو دوبارہ ہندو بنانے کی تحریک چلائی، اس کے مقابلہ کے لیے علما میں جو شخص سب سے پہلے میدان میں آیا وہ علامہ شبلی تھے، انہوں نے مختلف علاقوں کا دورہ کیا دیہاتوں میں واعظ بھیجے اور اپنے مضامین سے تمام اہل علم اور دردمندان قوم کو اس کی طرف متوجہ کیا، اس کے لیے انہوں نے متعدد منصوبے بنائے اور اشاعت و حفاظت اسلام کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اس کی تفصیل مقالات شبلی جلد ہشتم اور حیات شبلی میں موجود ہے۔ ۲۲؎

اسی سلسلے میں علامہ شبلی نے یہ تجویز پیش کی کہ اس کے لیے ایک کمیٹی بنائی جائے، جس میں تمام صوبوں کے نمائندے ہوں، تنظیم کا سکریٹری تمام کارروائی پر نظر رکھے، واعظ مقرر کیے جائیں، جو دو۔ دو چار۔ چار مہینے ایک ایک گاؤں میں رہ کر لوگوں کو اسلام کے احکام سکھائیں، واعظوں کے تیار کرنے کا بھی انتظام کیا جائے، جابجا مکاتب قائم کیے جائیں، جن میں قرآن اور اردو کی تعلیم دی جائے، دیہاتوں میں جو مکاتب ہیں، ان میں مسلمان مدرسین مقرر کرائے جائیں، دینیات کا ایک ایسا نصاب تیار کیا جائے، جو انگریزی خواں طلبہ کے لیے مفید ہو ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو آریوں سے مناظرہ و مباحثہ کرے اور جو بھاشا اور سنسکرت سے بھی واقف ہو، آریوں کے مہمات عقائد کے رد میں رسالے شائع کیے جائیں، ۲۳؎ غرض منظم انداز میں آریوں کا مقابلہ کیا جائے۔

علامہ شبلی نے اپنے مضامین میں اشاعت و حفاظت اسلام کا پورا خاکہ مرتب کر دیا ہے، داخلی ضرورتوں کے ساتھ خارجی ضرورتوں کو بھی انہوں نے تفصیل سے واضح کیا ہے، ان کا خیال

تھا کہ مخالفین کے اعتراضات اور حملوں کا جواب دینا ہی کافی نہیں بلکہ آگے بڑھ کر اسلام کی سچی تعلیمات کو بھی عام کیا جائے، وہ لکھتے ہیں:-

"ہمارے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ ہم بے کس بن کر صرف دوسروں کے حملہ سے اپنے آپ کو بچائیں، اسلام اس لیے آیا تھا کہ تمام دنیا پر اپنے آپ کو پیش کرے، اس لیے ضرور ہے کہ ہم دوسری قوموں میں اپنے واعظ اور داعی بھیجیں جو اسلام کی تبلیغ کریں، یہ قطعی ہے کہ اگر صحیح طور سے مذہب اسلام دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا جائے تو ہزاروں لاکھوں اشخاص نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ میں بھی اسلام کو بے تکلف قبول کرسکتے ہیں"۔ ۲۴

علامہ شبلی کے یہ منصوبے اور تخیلات اس وقت کے ہیں جب ملک میں کوئی قابل ذکر تنظیم موجود نہ تھی، بعد میں جو تنظیمیں وجود میں آئیں کیا ان کے دستور العمل اور عملی جدوجہد کا طریقہ کار علامہ شبلی کے مماثل نہیں؟ درحقیقت بعد کے ہندوستان میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا وہ علامہ مرحوم ہی کے تخیلات کی بازگشت ہیں۔

ملک کی موجودہ صورت حال میں علامہ شبلی کے منصوبہ اشاعت اسلام کی افادیت کم نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہی طریقہ کار اپنا کر ایک بار پھر مخالفین اسلام کے عزائم کے تار پود کو بکھیرا جاسکتا ہے۔

ناموران اسلام کے سوانح لکھنے کے دوران علامہ شبلی کو بار بار خیال آیا کہ ان ناموروں سے پہلے سب سے اول اس نامور کا نام آنا چاہئے جس کی ناموری نے ان سب کو نامور بنایا، چنانچہ انہوں نے سیرت نبویؐ کی تالیف وتدوین کی ایک عظیم الشان تجویز قوم کے سامنے رکھی ۲۵ اور قوم نے اس کی پذیرائی بھی کی، علامہ شبلی نے اس عزم کے ساتھ سیرت نبوی کی تالیف کا آغاز کیا کہ "اگر مرنہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشاء اللہ دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع کئی سو برس تک نہیں ہوسکتی"۔ ۲۶

علامہ شبلی کے اس جذبہ اخلاص نے واقعی ایک ایسی سیرت قلم بند کرادی جو آج تک اپنا جواب نہیں رکھتی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنی خصوصیات میں

سیرت کے سارے ذخیرہ کتب میں خواہ وہ کسی زبان میں لکھی گئی ہوں منفرد حیثیت رکھتی ہے، حتی کہ عربی زبان میں بھی اس نوعیت کی ایسی جامع کوئی سیرت نہیں لکھی گئی۔ ۲۷

علامہ شبلی سیرت کی ابھی دو ہی جلدیں لکھ سکے تھے کہ ان کا وقت آخر آپہنچا، بقیہ جلدیں ان کے شاگرد رشید مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھیں اور سیرت کا دائرہ بہت وسیع کردیا، جو سات جلدوں پر اختتام کو پہنچا۔

علامہ شبلی نے سیرت کا جو منصوبہ بنایا تھا اس میں ایک جلد (پانچویں) میں مستشرقین کے اعتراضات اور ناروا الزامات کا رد وابطال کرنا تھا، وہ سپرد قلم نہ ہوسکا، علامہ شبلی کے اس خیال کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اس جلد کو قلم بند کیا جائے۔

صحافت کے میدان میں مسلمانوں کا اپنا کوئی اخبار نہیں تھا، اس کا احساس سب سے پہلے علامہ کو ہوا، چنانچہ انہوں نے اس کے لیے بڑی تگ ودو کی ۱۹۱۲ء میں سید میر جان نے لکھنؤ سے مسلم گزٹ جاری کیا جو دراصل علامہ شبلی ہی کی تمام تر کوششوں کا نتیجہ تھا، اس کی تفصیل حیات شبلی میں موجود ہے ۲۸ ہندوستان میں مسلمانوں کا اب تک کوئی آزاد اخبار نہیں ہے جو ان کے خیالات کی ترجمانی کرسکے، مولانا شبلی کی بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کو اس زمانہ میں اس کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ انہوں نے سید میر جان کو نہ صرف مشورہ دیا بلکہ اس کی ذمہ داری بھی قبول کی، مولوی وحید الدین سلیم کو علی گڑھ سے بلا کر ایڈیٹر بنایا، ان کی کوششوں سے بہت جلد مسلم گزٹ مقبولیت کے آسمان پر چمک اٹھا مگر قوم کی بدمذاقی سے علامہ شبلی کی یہ کوشش بارآور نہیں ہوسکی، ۲۹ ایک ایسا اخبار جو مسلمانوں کے مسائل کو واضح اور مسلم کاز کی ترجمانی کرے جاری کرکے علامہ شبلی کی ایک خواہش کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔

انگریزوں کے دور حکومت میں علامہ شبلی نے وقف علی الاولاد کے لیے تحریک چلائی اور بالآخر کامیابی ملی، اسی طرح انہوں نے تعطیل جمعہ کے لیے بھی جدوجہد کی اور تعطیل منظور ہوئی ۳۰ اگر ہم اس سے سبق لیں تو یقیناً آزاد ہندوستان میں ہم کامیابی سے ہم کنار ہوں گے، خاص طور سے تعطیل جمعہ کے لیے تحریک برپا کی جاسکتی ہے۔

علی گڑھ میں علامہ شبلی کی تحقیقات کا آغاز تاریخی تصحیحات سے ہوا، انہی سے متاثر ہو کر

سرسید احمد خاں نے صیغہ اغلاط تاریخی کی تصحیح قائم کیا اور علامہ شبلی کے مضامین کو اس میں شامل کیا، علی گڑھ کے بعد علامہ شبلی نے ندوہ میں یہ شعبہ قائم کیا اور مولانا سید سلیمان ندوی کو اس کا سکریٹری مقرر کیا، سید صاحب نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا [۳۱] علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی ندوہ سے علاحدگی کے بعد پھر یہ کام ندوے میں نہ ہوسکا، البتہ سید صاحب نے جولائی ۱۹۱۶ء میں جب ماہنامہ معارف جاری کیا تو اس سلسلہ کو پھر شروع کیا، اس وقت سے اب تک دارالمصنفین حتی المقدور یہ خدمت کسی نہ کسی نوع سے انجام دے رہا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس بڑے پیمانہ پر یہ کام ہونا چاہئے تھا نہ ہوسکا، آج جب انگریزوں کے ساتھ برادران وطن بھی تاریخی غلطیاں کر رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرح کے ناروا الزامات عائد کرتے رہتے ہیں، شبلی کے اس تاریخی شعبہ کو قائم کر کے بے سروپا الزامات کا رد کیا جاسکتا ہے۔

۱۱ر فروری ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی نے الہلال کلکتہ میں دارالمصنفین کی تجویز قوم کے سامنے پیش کی اسے وہ اپنا آخری میدان عمل اور زمرہ مصنفین کی دائمی خدمت خیال کرتے تھے [۳۲] دارالمصنفین کا بنیادی مقصد اعلیٰ مصنفین اور اہل قلم کی جماعت پیدا کرنا، بلند پایہ کتابوں کی تصنیف و تالیف و ترجمہ اور ان کے طبع و اشاعت کا انتظام کرنا تھا [۳۳] بلا شائبہ مبالغہ یہ ادارہ تقریباً ایک صدی سے اپنے مقاصد کے حصول میں سرگرم ہے، تقریباً ڈھائی سو بلند پایہ اور معرکہ آرا کتابیں اپنے مصنفین سے لکھوا کر شائع کر چکا ہے، اس کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو کہ آج قومی سرمائے میں سب سے قیمتی علمی ذخیرے کا اضافہ دارالمصنفین نے کیا ہے اور سب سے زیادہ اہل قلم اور مصنفین اسی کے زیر اثر پیدا ہوئے، بلا شبہ یہ سب علامہ شبلی کا فیضان ہے۔

دارالمصنفین نے سیرۃ النبی، سیر الصحابہ، تابعین، تبع تابعین، تاریخ اسلام، تاریخ ہند، شعر و ادب، سوانح، مکاتیب، سفرنامے، غرض مختلف النوع موضوعات پر گراں قدر کتابیں شائع کیں اور حتی المقدور زمانہ کی رفتار سے ہم آہنگ ہو کر نئی ضرورتوں اور نئے تقاضوں پر علمی کام کیا، مالی وسائل کی کمی، مناسب افراد کی نایابی کے باوجود اس ادارہ نے جو علمی ذخیرہ قوم کے سامنے پیش کیا اس کی مثال شاید ہی مل سکے، تاہم بہت سے کام ایسے بھی ہیں جو وہ انجام نہ دے سکا، مثلاً

سیرۃ النبی پر مولانا سید سلیمان ندوی کے بعد کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا، تاریخ اسلام کی چار جلدوں کے بعد یہ سلسلہ رک گیا، تاریخ اندلس حصہ اول کے بعد بقیہ حصے شائع نہ ہوسکے، تاریخ ہند پر کوئی مبسوط اور مدلل کتاب بھی لکھی نہ جاسکی، شبلی کے سلسلہ نامور فرماں روایان اسلام کا ایک حصہ بھی سپرد قلم نہ ہوسکا، ناموران اسلام اور حکمائے اسلام پر جس قدر کام ہونا چاہئے تھا وہ بھی نہ ہوسکا، ایسا محض مالی دشواریوں، اہل علم اور ارباب دولت کی بے توجہی کی وجہ سے ہوا، یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ دارالمصنفین جو علم و فن کا سب سے بڑا ادارہ تھا قوم کی بدمذاقی کی وجہ سے اپنے عزائم کی تکمیل نہ کرسکا، قومی ترقی کا سارا دارو مدار علمی، دماغی اور ذہنی ترقی پر منحصر ہوتا ہے، علامہ شبلی نے اس کام کے لیے یہ ادارہ قائم کیا تھا مگر قوم کے صاحب ثروت افراد اس ادارۂ حکمت و دانش کو خاطر خواہ ترقی دینے میں مانع رہے، اگر آج بھی براہیم سا ایماں پیدا ہو جائے تو دارالمصنفین انداز گلستاں پیدا کرسکتا ہے۔

علامہ شبلی کے پیش نظر ایک علمی رسالہ معارف کا اجرا بھی تھا، اس کا خاکہ بھی وہ بنا گئے تھے مگر ان کی بے وقت موت نے اسے عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں دیا، ان کی وفات کے بعد مولانا سید سلیمان ندویؒ نے علامہ کی خواہش کے مطابق جولائی ۱۹۱۶ء میں معارف جاری کیا، معارف اس وقت سے اب تک بلاناغہ شائع ہو رہا ہے، سیکڑوں موضوعات پر ہزاروں علمی و تحقیقی نگارشات شائع ہو چکی ہیں، جس کی برصغیر کی تاریخ میں مثال نہیں مل سکتی، اس کی حیثیت انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں، اس کی اہمیت شاعر مشرق کے اس قول سے ظاہر ہے کہ ”معارف ایک ایسا رسالہ ہے، جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے“ [۳۴]

قومی ترقی کے لیے علامہ شبلی نے وقتاً فوقتاً جو تجاویز پیش کیں اور منصوبے بنائے یہ ان کا ایک اجمالی جائزہ ہے، جس سے دور حاضر میں شبلی کی معنویت پورے طور پر عیاں ہو جاتی ہے، یقیناً شبلی کے ان منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہم اپنے قوم کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔

حواشی

۱ مکاتیب شبلی، ج ۱ ص ۶۸، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء ۲ ایضاً ص ۶۶ ۳ ایضاً ص ۲۶ و ص ۴۴-۴۵

۴؎ ایضاً ص ۹۳۔ ۵؎ ایضاً ص ۴۴ و ۴۵۔ ۶؎ المامون ص ۸ و ۹ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۲ء۔ ۷؎ سیرۃ النعمان دیباچہ، ص ۷ مکتبہ اعزازیہ دیوبند (ب۔ت) ۸؎ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۸۹۶ء ص ۲۱۶۔ ۹؎ مقالات شبلی ج ۴ ص ۱ ۱۰؎ ایضاً ج ۴ ص ۶۷ ۱۱؎ مکاتیب شبلی ج ۱ ص ۱۳۲ ۱۲؎ مقالات شبلی ج ۸ ص ۶ و ۷، دارالمصنفین اعظم گڑھ طبع دوم ۱۹۷۲ء۔ ۱۳؎ حیات شبلی ص ۴۱۳ دارالمصنفین اعظم گڑھ، طبع چہارم ۱۹۸۳ء، ۱۴؎ ایضاً ص ۴۱۶۔ ۱۵؎ ایضاً ص ۴۲۱۔ ۱۶؎ مقالات شبلی ج ۸ ص ۴۸۔ ۵۲۔ ۱۷؎ مقالات شبلی ج ۲ ص ۲۹ دارالمصنفین اعظم گڑھ طبع دہم ۱۹۸۸ء۔ ۱۸؎ مقالات شبلی ج ۸ ص ۵۳۔ ۱۹؎ ایضاً ص ۵۴۔ ۲۰؎ ایضاً ص ۵۴ و ۵۵۔ ۲۱؎ ایضاً ص ۵۵۔ ۲۲؎ مقالات شبلی ج ۸ ص ۱۔ ۱۵، حیات شبلی ص ۵۵۵۔ ۵۷۴۔ ۲۳؎ مقالات شبلی ج ۸ ص ۱ و ۲۔ ۲۴؎ ایضاً ص ۱۰۔ ۲۵؎ ایضاً ص ۳۲۔ ۲۶؎ مکاتیب شبلی ج ۱ ص ۲۴۲۔ ۲۷؎ ماہنامہ معارف "سلیمان نمبر" ص ۱۷۸۔ ۲۸؎ حیات شبلی ص ۶۱۱ ۔ ۶۱۴۔ ۲۹؎ ایضاً۔ ۳۰؎ ایضاً ص ۵۴۸۔ ۵۵۲۔ ۳۱؎ ایضاً ص ۵۲۳۔ ۵۲۷۔ ۳۲؎ مکاتیب شبلی ج ۲ ص ۱۹۳۔ ۳۳؎ تعارف دارالمصنفین، مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ ۳۴؎ اقبال نامہ حصہ اول ص ۸۰۔

معارف: یہ اپنی نوعیت کا انوکھا مقالہ ہے، جس میں حیات شبلی اور خود علامہ مرحوم کے مکاتیب کی مدد سے ان کے عزائم اور منصوبوں کو از سرنو بڑے سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے، جس کے لیے لائق مقالہ نگار داد و تحسین کے مستحق ہیں، مگر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ علامہ مرحوم کے عہد اور موجودہ عہد میں بھی اب بہت تغیر ہو چکا ہے، اس وقت جن چیزوں کے لیے حالات سازگار تھے اب نہیں رہ گئے ہیں، زمانے کے حالات بدلنے سے نئے تقاضے اور ضرورتیں سامنے آتے ہیں، اور ان کے مطابق ترجیحات بھی بدلنی پڑتی ہیں۔

ہندوستان خصوصاً شمالی ہندوستان میں بدلے ہوئے حالات میں شبلی نیشنل اسکول بلکہ اب شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج کے لیے موخر الذکر منصوبے کو بہ روئے کار لانا آسان نہیں ہے، فارسی زبان کی اہمیت مسلم ہے، اس کے بغیر اچھی اردو نہیں لکھی پڑھی جاسکتی، مگر اسے تو مدارس نے بھی ختم کردیا، نئے مضامین کی کثرت و ضرورت کی وجہ سے فارسی کے لیے گنجائش نکالنا مشکل ہوگیا ہے، تاہم شکایت بجا ہے اور کالجوں اور مدرسوں

دونوں کو اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

نام وران اسلام کے سلسلے میں جو فرماں روایان اسلام علامہ مرحوم کے پیش نظر تھے ان پر براہ راست نہ سہی لیکن تاریخ اسلام اور، تاریخ دولت عثمانیہ پر دارالمصنفین میں جو کام ہوا ہے، اس سے اس کی کسی حد تک تلافی ہوئی ہے، خود ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اکثر فرماں رواؤں کے عہد میں جو مشاہیر علم گزرے ہیں، ان پر دارالمصنفین کا کام وقیع ہے۔

علوم اسلامیہ کی تاریخ و تدوین اور ہر ہر فن کے اکابر و مشاہیر کے سوانح قلم بند کرنا بھی علامہ مرحوم کے منصوبے میں شامل تھا، اس سلسلے کی کئی کتابوں کا مقالہ نگار نے ذکر کیا ہے، مگر بعض ناموں کا ذکر رہ گیا ہے جیسے سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، سیرت عائشہؓ اور اگر اس دائرے کو وسیع کریں تو حیات شبلی اور حیات سلیمان کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

علم کلام اور جدید فلسفہ کے علاوہ اصل اسلامی علوم تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے مشاہیر کے حالات بھی قلم بند کیے گئے ہیں۔

تاہم اب بھی بہت سارے کام تشنہ تکمیل ہیں جن کی طرف بجا طور سے مقالہ نگار نے توجہ دلائی ہے جو کرنے کے کام رہ گئے ہیں، اس میں وسائل کی کمی ہی نہیں، افراد کی کمی بھی مانع بنی ہے، مقالہ نگار نے خود علمی بدمذاقی کا بار بار ذکر کیا ہے اولاً تو پتہ مار کام کرنے اور جامع کمال اشخاص کا فقدان ہے اور جو ہیں بھی ان کو تن آسانی اور شہرت و نام وری کی طلب اس طرف راغب نہیں ہونے دیتی۔ "ض"

رام پور کا گم شدہ جنگ نامہ

از:- جناب عتیق جیلانی سالک ☆

تاریخ میں رام پوران روہیلہ افغانوں کی بستی کے طور پر مشہور ہے، جن کے اسلاف نے جنگ وجدل اور شعر وادب کے فروغ میں یکساں خدمات انجام دی ہیں، خصوصاً پشتو رجزیہ شاعری کی وراثت انہیں خوش حال خاں خٹک (اخوڑہ خٹک) سے ملی تھی، اس کے علاوہ چہار بیت کے ذریعے بھی وہ اپنی جنگ جویانہ انداز معاشرت کا اظہار کرتے رہے ہیں، ان میں معرکہ آرائی کے مواقع پر قومی سورماؤں کی بہادری کے قصے بیان کرنا ایک عام بات تھی، چنانچہ جنگ دوجوڑہ پر ہزیمت کے باوجود شیخ الاسلام غلام جیلانی رفعت م ۱۸۱۹ء کی مثنوی "درِ منظوم" فارسی ادب کا شاہ کار مانی جاتی ہے، عوامی رزمیے بھی بہت کچھ لکھے گئے ہیں لیکن یہ تمام کاوشیں عہد نواب غلام محمد خاں (معزول ۱۷۹۴ء متوفی ۱۸۲۲ء) و نواب احمد علی خاں رند (متوفی ۱۸۴۰ء) تک منظر عام پر آتی رہیں، جنگ دوجوڑہ کو "جنگ نجوخانی" بھی کہتے ہیں، اس کے بارے میں سنہ ۲۰۰۶ء میں نوجوان شاعر عبداللہ خالد نے "محاربۂ نجوخانی" کے نام سے ایک متاثر کن نظم لکھی لیکن یہ کاوشیں نسلی تفاخر یا قومی جذبات کی آئینہ دار ہیں، ورنہ آج کے صاحب فن کو سیاسی و معاشی مجبوریوں کے تحت قومی جذبہ کا گلا گھونٹنا پڑا ہے، کیوں کہ آج صرف معاشیات کے پیش نظر فوجی ملازمت کی جاتی ہے، چنانچہ دوسری جنگ عظیم میں ہندوستانی عوام کو ہندوستان کی آزادی کے وعدے پر جنگ میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا تھا، منشی دولہ جان خان عارف تسلیمی نے

☆ رضا لائبریری، رام پور۔

اس جنگ میں شرکت کی اور بعد میں اس کو منظوم کر کے کاروان رام پور کے نام سے شایع کیا، جس سے اس عہد کی طرز معاشرت، سیاست اور فکر وفن کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مگر تاریخ کے دھندلکوں میں ایک اور مثنوی دریافت ہوئی ہے، جس میں جنگ مصر کے موقع پر ہندوستانی افواج نے بہ تمام مجبوری اتحادی برطانوی فوجوں کے ساتھ فوجی خدمات انجام دی تھیں، اس مثنوی کے مطالعے سے تاریخ کے کچھ گم شدہ اوراق کی بازیافت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ اقوام عالم نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ مسلم ملکوں کو وہ اپنی فوجی طاقت کے ذریعے زیر نہیں کر سکتے، خود انہیں آپس میں لڑا کر کم زور و محکوم بنا سکتے ہیں، یہی نظریہ تھا جس کے تحت مصر کی جنگ میں انگریزوں نے غلام ہندوستان کی دوسری رجمنٹ جس میں زیادہ تر مسلمان تھے لڑنے کے لیے وہاں بھیجی تھی، یہ مہم خاص رام پوری جوانوں کی بھی نہیں تھی، مگر ان کی نمایاں شرکت رہی، "مثنوی جنگ نامۂ مصر" کے مصنف محمد حسین خاں رام پوری ساکن محلہ املی جھولے والی اور اس کے محرک کرنل محمد رضا خاں رئیس رام پور تھے، انہیں اس میں "رئیس بلدۂ دارالسرور رام پور" لکھا گیا ہے۔

یہ کتاب مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے اپریل ۱۸۸۳ء جمادی الآخر ۱۳۰۰ھ میں ۶۴ صفحات کے 22/5x13 سینٹی میٹر سائز پر نہایت خوش نما نستعلیق کتابت کے ساتھ شایع ہوئی ہے، البتہ طویل عرصہ گزر جانے سے کاغذ شکستہ ہوگیا ہے اور اسے کھولنے بند کرنے میں قاری کو احتیاط کرنا پڑتی ہے۔

آغاز:- "مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات" الٰہی شہنشاہ تو میں گدا + تو رکھ فوج دوم پہ لطف وعطا۔

اختتام:- رہے گا نہ محروم اے رند تو + صلہ اس کا پائے گا بے گفتگو

ترقیمہ:- خاتمۃ الطبع: بحمد اللہ کہ نادر تاریخ پردہ کشائے چہرۂ شاہد واقعات جنگ وجدل ملک مصر ونقاب بردار روئے خریدۂ احوال نبرد و پیکار بے تردد فکر جو بنام جنگ نامۂ مصر ہے۔الخ

اصل مثنوی شروع ہونے سے پیش تر مناجات و نعت سرور کائنات اور پھر "بیان وطن مصنف" کے عنوان سے منظوم تعارف شامل ہے۔

وطن ہے قدیمی مرا رام پور — کہ ہیگا لقب اوس کا دارالسرور

کہ دہلی اور لکھنو کے باشندگان + اقامت گزیں ہیں وہ مدت سے واں

اور ہے اوس ملہ میں میرا مکاں + بتاتا ہوں میں تجکو اے مہرباں

جو املی ہے جھولے کی مشہور نام + اوسی جا پہ مسکن اپنا مدام

اور ہے نام میرا محمد حسین + کہ ہوں خاکپائے امام حسین

نہ ملاّ نہ شاعر نہ ہوں میں دبیر + سوار اک رسالہ کا پے دستگیر

اس کے بعد محمد حسین خاں نے انکساری کا اظہار کرتے ہوئے بتایا ہے کہ میں انگریزی رسالہ دویم یعنی سیکنڈ انفینٹری میں لکھنؤ میں تعینات تھا، اسی زمانے میں مصر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ وہاں کے بادشاہ کا وزیر جس کا نام احمد تھا وہ بادشاہ کی کسی پالیسی سے ناراض ہوگیا اور ملکہ جہاں (غالباً برطانیہ کی ملکہ بادشاہ کی طرف دار ہوگئیں) محمد حسین خاں نے اس مسئلہ پر انگریزی حکومت کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے، چنانچہ مصر پر انگریزی حملہ کو حق بجانب قرار دیا ہے، انگریزوں کی مدد کرنے کے لیے ان کی نوآبادیات یا مقبوضات میں سے ہندوستان سے بھی فوجیں بھیجی گئیں لیکن جنگ میں شرکت کے لیے انگریزوں کی مرضی کے بجائے رسالہ دوم کی خواہش بتائی گئی ہے جو بعید از فہم معلوم ہوتی ہے۔

آغاز داستان:- ہوا سنہ بیاسی میں یہ شور و شر + پے جنگ احمد نے باندھی کمر

یہ دوم رسالہ نے درخواست کی + لڑیں مصریوں سے یہی ہے خوشی

حالاں کہ محمد حسین خاں کی منطق بالکل غلط تھی، وزیر احمد نے جنگ کے لیے خواہ مخواہ کمر نہیں باندھی تھی، اصل وجہ یہ رہی کہ ہندوستان آنے کے لیے انگریزوں کو مسلمان علاقوں سے گزرنا پڑتا تھا، اس لیے انھوں نے سمندری راستوں سے یہاں آنا شروع کیا، مگر وہ ہندوستان میں تجارت کرتے کرتے حاکم بن بیٹھے لیکن سمندری راستے کی صعوبتیں بہت زیادہ تھیں، اس لیے مسلم حکومتوں میں ریشہ دوانیاں اور سازشیں کرکے ان پر قبضہ کرنے لگے، مصر کا شہر اسمٰعیلیہ بہت اہمیت کا حامل تھا، انھوں نے وہاں کے بادشاہ توفیق شاہ کو شیشہ میں اتار لیا، مگر وزیر احمد ان کی چالوں کو سمجھ گیا، اس نے بغاوت کرکے وہاں کا نظم اپنے ہاتھ میں لے لیا، (ص ۱۵) اس جنگ کی وجہ جو محمد حسین خاں نے بتائی ہے، اتفاقیہ طور پر کسی عیسائی نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔

ایک عیسائی تھا واں دلاور جواں + کیا قتل مومن کو اک ناگہاں

اور اسی وجہ سے وہاں بلوہ ہوگیا، اس موقع پر احمد وزیر کو خیال ہوا کہ بادشاہ عیسائیوں کی مدد کر رہا ہے، مجبوراً توفیق شاہ نے عیسائیوں کو ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا، جب یہ خبر (مسلمانوں کے ازلی دشمن) قیصر روم (یونان کے کٹر عیسائی بادشاہ) کو ملی تو اس نے ایک جلسہ میں توفیق شاہ بادشاہ اور وزیر احمد عرب کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دریائے نیل سے بغیر محصول عیسائیوں کو گزر جانے دیا جائے، اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بادشاہ مصر توفیق شاہ نے اسمٰعیلیہ کو وزیر احمد کے قبضہ سے نکال لیا۔

لیا چھین احمد سے کر کے دغا + متاع اور مال اور جو پاس تھا

مجبوراً احمد وزیر قلعہ الکبیر میں قلعہ بند ہوگیا، اس لڑائی میں محمد حسین خاں نے عیسائیوں کی طرف سے لڑنے والے مسلمان فوجیوں یوسف خاں اور نظام علی کے علاوہ محمد رضا خاں کا نام بھی لکھا ہے، اس میں کچھ سکھ، آسا سنگھ، نرائن سنگھ، ڈیہ سنگھ اور گنڈا سنگھ کی بھی بہادری کی تعریف کی گئی ہے۔ (ص ۲۱)

مسلم فوجیوں میں مصطفیٰ بیگ، فہمی خاں، عبدالرحمٰن سید، غلام محمد، میر محمد، علی محمد، تصدق حسین، عبدالعزیز، منصب علی خان، مصطفیٰ علی خاں کے نام شامل ہیں۔

آخر وزیر احمد لڑتے لڑتے تھک گیا، وہ ریل میں بیٹھ کر فرار ہوگیا تھا، مگر قلعہ ثم البحر سے گرفتار ہوا۔

اس قوم پرست بہادر جیالے مرد مومن وزیر حکومت مصر احمد کو شاعر نے سراہنے کے بجائے امن کا دشمن ظاہر کیا ہے، جو قابل افسوس ہے، جنگ میں فتح یابی کے بعد مصر کے شہروں کی خوب صورتی اور آرائش کی تعریف کی گئی ہے، اس میں حضرت امام حسین کا سر مبارک دفن ہے، ایک قلعہ میں اندھیرا کنواں جس میں حضرت یوسف کو زلیخا نے قید کر دیا تھا، اس کا کھاری پانی مصنف نے پیا، ایک لاثانی خوب صورت مسجد جس میں شاہِ مصر محمد علی کا مزار ہے۔ مصنف نے بچشم خود ان تمام عجائبات کی سیر کی۔

محمد حسین خاں نے ملکۂ برطانیہ کو ملکہ مخدیو زمان بحر و بر کا خطاب دیا ہے جس نے ہندوستانی سپاہیوں کو شرف ملاقات بخشا اور انہیں لندن آنے کی دعوت دی، جن فوجیوں نے لندن کی سیر کی، ان میں رام پور کے تین اہم اور مشہور فوجی سردار محمد رضا خاں، علی محمد اور غلام حضرت

بھی شامل تھے، غالباً غلام حضرت خاں مولوی غلام جیلانی خاں بہادر دو محلہ روڈ والے کی اولاد
میں سے تھے۔

مثنوی سے محمد حسین خاں کی شعر گوئی میں کامل مہارت ظاہر ہوتی ہے، انہوں نے
جزئیات نگاری میں بھی کمال کیا ہے، یہاں تک کہ لندن جانے والے جہاز کی خوب صورتی اور
اس کی سربلندی کو تفصیل سے نظم کیا ہے۔

دیواریں اور چھت اس کی بلور کی + ڈھلے سانچے میں وہ بس نور کی

لندن پہونچ کر وہاں کی منظر کشی بھی بہت عمدہ کی ہے جب لندن والوں نے ہندوستانی
سپاہ کی آمد کی خبر سنی تو وہاں کے عوام انہیں دیکھنے کے لیے امنڈ پڑے۔

خلائق تھا واں پہ اک اژدھام ہوئی پھر تو لندن میں یہ دھوم دھام
اک عالم تھا اڈا ہوا چار سو وہ کرتے تھے باہم یہی گفتگو
جو ہے ہند کی یہ سپاہِ دلیر کیا مصریوں کو ہے اس نے زیر

محمد حسین خاں نے لندن کی شان و شوکت، عجائبات اور رنگ رنگیلی دنیا کو حیرت سے
دیکھا، انہیں وہاں کی ہر ہر چیز میں انوکھا پن محسوس ہوا، وہ سائنسی اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے بھی
بے حد متاثر ہوئے، یہاں تک کہ توپیں بھی حیرت انگیز طریقے سے ڈھلتی ہیں، محمد رضا خاں کی
زبانی لکھتے ہیں:-

محمد رضا خاں ہیں کرتے بیاں ڈلی میرے آگے تھی اک توپ واں
کہ سوٹن وزن اس کا تھا اے عزیز یہ کہتا ہوں میں سچ تو کرنا تمیز

خواتین لندن کا ذکر ہے سمن بر قد و گل رخ مہ وشاں + پے رقص آتی ہیں واں وہ دواں

محمد حسین خاں نے آخر میں بتایا ہے کہ ملکہ برطانیہ نے مصر کے خدیو (توفیق شاہ) کو
اس کی حکومت واپس کردی تھی۔

مذکورہ مثنوی ادبیات رام پور میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتی ہے، جو زبان و بیان
کے لحاظ سے بھی قابل قدر ہے اور تاریخ سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے عبرت کا سرچشمہ
بھی ہے۔

اخبار علمیہ

نیوز لیٹر، جنوری تا اپریل ۲۰۰۷ء کی اطلاع ہے کہ ارسیسا نے خطاطی کا ساتواں عالمی
مقابلہ منعقد کیا، اس میں خطاطوں نے ۱۴/طرز کے جن خطوں میں اپنی مہارت کا ثبوت دیا، ان
کے نام یہ ہیں، جلی ثلث، ثلث، نسخ، جلی تعلیق، نستعلیق، جلی دیوانی، کوفی، محقق، ریحانی، رقاع،
اجازہ، رقعہ، مغربی اور خرد تعلیق، مقابلے میں ۳۸/ممالک کے ۹۱۶ خطاطوں نے ۱۶۱۶ حصہ لیا،
انعام یافتہ تحریروں کے نمونے ارسیسا نے وقتاً فوقتاً نمائش کے لیے اپنے یہاں محفوظ کرلیے ہیں،
مقابلے میں شریک لوگ مختلف نوعیت کے اعزاز سے نوازے گئے، ۳۱/خطاطوں کو انعامات،
۴۷/فن کاروں کو اعتراف امتیاز کی سند اور ۴۲/کو حوصلہ افزائی کے لیے انعامات عطا کیے گئے،
یہ مقابلہ فن خطاطی کے ماہر ہاشم محمد البغدادی (۱۹۱۷ء - ۱۹۷۳ء) کے نام سے موسوم تھا،
مقابلے میں ہندوستانی ماہرین کی عدم نمائندگی باعث حیرت واستعجاب ہے۔

"سائنس ڈیلی آن لائن" میں ناسا کے شعبہ گورڈاڈ برائے خلائی مطالعہ کے حوالے
سے ماحولیاتی سائنس دانوں نے بتایا ہے کہ ۱۹۹۸ء کے بعد ۲۰۰۷ء دوسرا سب سے گرم سال
رہا ہے اور زیادہ گرم سال بھی اس کے بعد ہی کے ہیں، ۱۹۹۰ء کے بعد ماحولیات میں گرمی کا عمل
کم و بیش مسلسل جاری ہے، مذکورہ شعبہ کے ڈائریکٹر کا یہ بیان بھی نقل ہوا ہے کہ گزشتہ سال کی
ہماری یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کہ ۲۰۰۶ء کے بہ نسبت ۲۰۰۷ء زیادہ گرم ہوگا، سب سے
زیادہ گرمی آرکٹک یعنی منطقہ شمالی اور اس کے مضافاتی علاقوں میں درج کی گئی ہے، ماحولیاتی
گرمی کے سبب برف پگھل رہی ہے اور پانی کی مقدار بھی بڑھ رہی ہے۔

نیشنل یونی ورسٹی ملیشیا کے ۳۵ ممبروں کے ایک وفد نے برونائی کا دورہ کیا، اس وفد
کے سربراہ صدر دعوت اسٹڈیز کے ڈاکٹر فریضہ محمد الشام نے کی، وفد برونائی کے شہر کامپنگ پلائی
کے الدعوۃ الاسلامی کے مرکز بھی گیا جو وزارت مذہبی تعلقات برونائی کے تحت کام کرتا ہے،
استقبالیہ تقریب میں یہ خیال پرزور انداز میں ظاہر کیا گیا کہ اللہ کے نزدیک جغرافیائی سرحدوں

کی کوئی اہمیت نہیں ہے، موجودہ اصطلاح گلوبلائزیشن اسی تصور کی غمازی کرتا ہے۔

ٹائمس آف انڈیا نے "چائنا ڈیلی" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چین کے صوبہ ہنیان میں آثار قدیمہ کے ماہرین کو ایک لاکھ برس پرانی جبین انسانی کے جرثومے ملے ہیں، گذشتہ دو سال کے اندر چین کے متعدد علاقوں میں تیس ہزار سے زیادہ جانوروں کے جرثومے، پتھروں اور ہڈیوں سے تیار کردہ اشیا برآمد کی جاچکی ہیں، سائنس داں اس انسانی پیشانی کی برآمدگی کو بڑی کامیابی مان رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس سے اس زمین پر وجود انسانی کے ایک اہم دور کو سمجھنے میں معاون ہوگی۔

WAM نیوز ایجنسی کی اطلاع ہے کہ پاکستان کے صوبہ سندھ میں ۳۰ موبائیل اسپتال قائم کیے جائیں گے، ان اسپتالوں کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے پس ماندہ علاقوں میں فوری طبی سہولیات سے محروم شہریوں کو امداد بہم پہنچائی جائے گی، خبر کے مطابق متحدہ عرب امارات کے نائب وزیر اعظم شیخ ہمدان بن النیہان کے ایما اور تعاون سے یہ اسپتال بنائے گئے ہیں، حکومت پاکستان نے ۵۰ ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم تشکیل دی ہے جو صوبہ سندھ کے مختلف امراض کے شکار افراد کو فوری طبی سہولت فراہم کرے گی۔

سعودی عرب میں مقیم ترکی افسروں کے بیان کے مطابق ترکی حجاج کرام کی درخواستوں میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، اس سال ۷ لاکھ افراد کی درخواستیں موصول ہوئی ہیں، اسی طرح عمرہ کرنے والوں کی تعداد میں اس سے زیادہ اضافہ ہوا، پچھلے سال ایک لاکھ تیس ہزار لوگوں نے عمرہ کیا تھا اور اس سال یہ تعداد بڑھ کر دو لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔

نیوزی لینڈ کے "میڈیکل" جرنل میں شائع رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دفتروں میں دیر تک بیٹھ کر کام کرنے والے افراد DVT کے خطرناک مرض میں مبتلا ہوسکتے ہیں، محققین نے یہ انکشاف DVT کے شکار ۶۲ مریضوں پر تجربہ کرنے کے بعد کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ بیماری جسم کے اندر گہرائی میں موجود رگوں میں خون کے انجماد سے ہوتی ہے، اس کی شکایت عموماً ٹانگوں کی نسوں میں ہوتی ہے، خون کی جمی ہوئی پھٹکیاں اپنی جگہ سے ٹوٹ کر دل، پھیپھڑے یا دماغ تک پہنچ سکتی ہیں اور ان کی وجہ سے سینے میں درد، تنفس میں دشواری اور حرکت قلب بند

ہوجانے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

لندن کے ماہرین صحت نے اپنی طبی تحقیق میں کہا ہے کہ حد سے زیادہ صفائی سے الرجی کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں، ان کے تحقیقی مطالعہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ دیہی بچے شہری بچوں کے مقابلے میں صحت مند اس لیے ہوتے ہیں کہ بچپن میں گرد و غبار میں ملوث ہونے کے سبب ان کے جسم میں مہلک بیماریوں سے لڑنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، شہری بچوں میں زیادہ صفائی کے باعث یہ صلاحیت قابل لحاظ حد تک کم ہوجاتی ہے، قوت مدافعت کی کمی کی وجہ سے شہری بچے جوانی سے پیش تر بہ آسانی متعدی بیماری کی گرفت میں آجاتے ہیں، انہوں نے اس کو "ہائیجین ہائفوتھیس" کا نام دیا ہے۔

"ڈیلی میل" لندن میں یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ جرمنی کے ادارہ علم فلکیات "میکس پلانک" نے زمین سے ۱۱۵ء ۳ گنا بڑا سیارہ دریافت کیا ہے، محققین کے خیال میں یہ ابھی زیر تکمیل ہی ہے اور مشتری کے حجم سے ۸-۹ گنا زیادہ ہے۔

ماہرین نے Pal-v نامی تین پہیوں والی دنیا کی پہلی کار تیار کی ہے جو فضا میں ۴ ہزار فٹ بلندی تک اڑسکتی اور زمین پر MPH ۱۲۵ کی رفتار سے دوڑ سکتی ہے، اس کار کو مصروف ترین شاہراہوں پر فضا میں اڑا کر ٹریفک کی دشواریوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے، اس Pal-v کو فضا میں اڑانے کے لیے پائیلٹ اجازت نامہ اور سڑک پر چلانے کے لیے DL (ڈرائیونگ لائسنس) کی ضرورت ہوگی، اس کار کی تیاری میں کل چھ برس صرف ہوئے ہیں۔

لندن کے کازسٹ فاؤنڈیشن نے طے کیا ہے کہ توریت (محرف)، انجیل (محرف) اور قرآن مجید کی مشترک اور غیر متنازع تعلیمات کے مطالعہ کے لیے وہ اسکالرشپ دے گی، تاکہ ان سب کے ملغوبے سے ایک نیا مذہب ابراہیمی وجود میں لایا جائے اور اسی کے مرکزی نکتہ پر یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں میں افہام و تفہیم کی راہ ہموار کی جائے، اس مقصد کے لیے اکٹھا ہونے والے تمام افراد کے اخراجات اور ضیافت کی ذمہ داری لندن یونی ورسٹی کرے گی۔

ک۔ ص اصلاحی

آثار علمیہ وتاریخیہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نام اہل علم کے خطوط (۲)

(۳)

۷۸۶

پی نمبر ۶، سہروردی
اوینو کلکتہ ۱۷
۱۹ر نومبر ۱۹۵۹ء

میرے محترم کرم فرما اطال اللہ حیاتہ

سلام مسنون

عنایت نامہ مورخہ ۷ر جمادی الاولیٰ موصول ہوا، مرہون منت ہوا، ولسن کا ترجمہ وشنو پران جو پانچ جلدوں میں ہے، میں یونی ورسٹی سے لایا، اس میں حضرت رسول مقبول ﷺ کے متعلق کوئی ظاہر تفصیل تو ہے نہیں، ہاں جلد ۴ باب نمبر ۲۴، ص ۱۷۸ تا ص ۲۴۲ میں کچھ ایسی باتیں ہیں جن کو آپ کسی طرح حضرت نبی آخر زمان پر منطبق کر سکتے ہیں، متعلقہ مضامین کے عنوانات میں لکھ دیتا ہوں:

Ascendency of barbarians - Diffrent races in different regions - period of universal iniquity and decay Coming of Vishnu as Kalki - Destruction of the wicked, and restoration of the practices of the Vedas. End of the Kali, and return of the Krita age - Duration of the Kali -

Verses chanted by Earth, and communicated by Asita to janaka. End of the Fourth Book.

اس میں جو حالات بیان کیے گئے ہیں وہ بعثت اور بعد کے حالات پر منطبق ہوتے ہیں لیکن سباق وسیاق اس Interpretation کے خلاف ہیں اگر آپ لکھیں تو میں اس باب کو ٹائپ کرا کر آپ کو بھیج دوں۔

آج میں پٹنہ جا رہا ہوں، ایک ہفتہ میں واپس آؤں گا، تو کتاب کو تفصیل سے دیکھوں گا اور اس کے متعلق آپ کو لکھوں گا، اخراجات وغیرہ کا کچھ خیال نہ کیجیے، اگر میں آپ کے کاموں میں کچھ بھی اعانت کر سکوں تو اپنے لیے باعث نجات سمجھوں گا۔

Schacht کی کتاب کا جو ریویو اسلامک ریویو میں چھپا ہے وہ ضرور دیکھوں گا، غریب الحدیث لابی عبید پر پروفیسر محمد آتش نے جو مقالہ شائع کیا ہے اسے دیکھنا چاہتا ہوں، اگر آپ ان کا پتہ لکھیں تو میں اس کے متعلق انہیں خط لکھوں، جامع معمر بن راشد حدیث میں کس کتاب کا مخطوطہ ہے اور کتاب کے نام سے بھی مطلع کیجیے اور جو خدمت میرے لیے لائق سمجھیں اس سے بلا تکلف مطلع کریں۔

میری حقیر تالیف اب آپ کو مل گئی ہوگی، اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، لکھیے۔

والسلام

احقر العباد

محمد زبیر صدیقی

(۴)

دریاباد، بارہ بنکی
۵ر نومبر ۱۹۷۴ء

برادرم - وعلیکم السلام

کن الفاظ سے میں اس عنایت خاص کا شکریہ ادا کروں۔

فالج کی ہلکی کیفیت مستقل ہوگئی ہے!

مولانا عبدالباری پر مستقل بے ہوشی کی کیفیت مہینوں سے نہیں برسوں سے طاری ہے

والسلام

دعاگو ودعاخواہ

عبدالماجد

(۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵ مائے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

حوالہ نمبر ۳۵۱۴

۱۹/۱۱/۷۵ء

محترمی ومکرمی، زید فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۱/ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ وصول ہوا، بلاشبہ یہ زلہ قلم تھے کہ میں حضرت جویریہؓ کو بھی یہودی خاندان کی بیٹی لکھ گیا، نہ لکھتے وقت اسے محسوس کیا تھا نہ بعد میں کبھی اس غلطی کی طرف توجہ ہوئی، آپ کو اللہ جزائے خیر دے کہ آپ نے اس کی طرف توجہ دلائی، انشاء اللہ آئندہ اس کی اصلاح کردی جائے گی۔

آپ نے جس مقام پر مذکورہ بالا غلطی ملاحظہ فرمائی ہے، اسی مقام پر اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بہ طور خاص اللہ تعالیٰ نے چار بیویوں کی قید سے مستثنیٰ کیا تھا، تفسیر سورۂ احزاب کے حواشی ۸۷ تا ۹۰ میں یہی بحث ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ کو بخیر رکھے اور اپنے دین کی بہترین خدمات آپ سے لے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

(۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حوالہ نمبر ۳۶۲۲

۷/۱۲/۷۵ء

محترمی ومکرمی، زادکم اللہ شرفا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۲/ ذی قعدہ ملا، آپ نے ابن سعد اور ابن حبیب کے حوالہ سے جو روایت نقل فرمائی ہے، اس سے زیادہ عجیب روایات ابن سعد میں ذکر ما اعطی رسول اللہ ﷺ من القوۃ علی الجماع کے تحت درج کی ہیں، جن میں رسول اکرم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ کنت من اقل الناس فی الجماع حتی انزل اللہ علی الکیفیۃ فما اریدہ من ساعۃ الا وجدتہ وھو قدر فیھا لحم اور یہ کہ لقینی جبریل بقدر فاقلت منھا واعطیت الکیفیت قوۃ اربعین رجلا فی الجماع اور یہ کہ رایت کانی اتیت بقدر فاقلت منھا حتی تضلعت فما ارید ان اتی النساء ساعۃ الافعلت منذا کلت منھا۔

بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ کنا نتحدث انہ اعطی قوۃ ثلاثین ، ابونعیم اور امام احمد اور نسائی اور حاکم کی روایات میں یہ اضافہ ہے کہ چالیس مرد جن کی قوت حضور ﷺ کو عنایت کی گئی، دنیا کے نہیں بلکہ جنت کے مرد ہیں اور جنت کے ہر مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر قوت حاصل ہے، اسی بنا پر مولانا حسین احمد مدنی مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں حضور ﷺ کے تعدد ازواج پر ایک شخص کے شبہات کی تردید کرتے ہوئے استدلال کیا تھا کہ حضور ﷺ کو دراصل دنیا کے چار ہزار مردوں کی قوت حاصل تھی اور یہ آپ کا کمال ضبط تھا کہ صرف گیارہ بیویوں پر آپ نے قناعت فرمائی۔

اس قسم کی روایات سے میں ہمیشہ صرف نظر کرتا ہوں، اسی لیے تعدد ازواج کی وہ توجیہ میں نے کی ہے جو سورۂ احزاب میں آپ نے ملاحظہ فرمائی۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

اہل علم کے خطوط

(۷)

بسمہ سبحانہ

فاضل گرامی مرتبت مخدوم ومحترم زیدت معالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۱۵ ررمضان المبارک موجب صدمنت ومسرت ہوا، اس سے پہلے کے دونوں مرسلہ کارڈ مل گئے تھے۔

اسی سلسلہ میں آپ نے جوزحمت گوارہ فرمائی، اس کے شکریہ سے زبان قاصر ہے، اس آخری عنایت نامے میں آپ نے جو معلومات مہیا فرمادی ہیں وہ سردست میرے لیے کافی ہیں، آیندہ اگر اثنائے مطالعہ وتحقیق میں میرے کام کی کوئی چیز کبھی مل جائے خاص طور پر جس سے ۳۰۹ کی تائید ہوتی ہوتو اس سے ضرور مطلع فرمائیں۔

آپ کا پہلا کارڈ ملنے پر میں نے مہتمم صاحب کتب خانہ کو ان کتابوں کی زبان کے متعلق تحقیق کرنے کو کہہ دیا تھا، انہوں نے ممکن مآخذ سے رجوع کیا مگر ان کی زبانوں کا تعین نہ ہوسکا، اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ اصل کتابیں دیکھی جائیں (جہاں بھی مل سکیں) اگر کوئی سراغ لگ سکا تو انشاء اللہ مطلع کروں گا، اس وقت آپ کے خطوط کی رسید پر اکتفا کررہا ہوں۔

خدا کرے مزاج ہر طرح بہ عافیت ہو۔

والسلام
مخلص
ابوالحسن علی

۴ رشوال ۹۰ھ
۳ ردسمبر ۷۰ء

(۸)

۲۹۵ بلاک ۷ و ۸
سی پی برار سوسائٹی، کراچی نمبر ۵
۸ راپریل ۱۹۸۳ء

مخدومی ومعظمی متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج مبارک بہ عافیت ہوں گے۔

معارف فروری ۲۰۰۸ء

تین سال قبل جب لندن جانا ہوا تھا تو واپسی سے تین چار روز قبل مارٹن لنگز صاحب کا غائبانہ تعارف حاصل ہوا، میں نے اپنے دوست ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب سے عرض کیا کہ ملاقات کی صورت بہم پہنچائیں، انہوں نے فرمایا کہ وہ بہت کم آمیز ہیں اور مشکل سے ملتے ہیں، اس لیے اتنے جلد ملاقات کی صورت ممکن نہیں، البتہ ان کے ذکر وشغل اور اہتمام زہد کی تعریف انہوں نے بھی کی، پاکستان آکر ان کی اور ان کے مکتب خیال سے متعلق کچھ کتابیں دیکھنے کو ملیں، جن سے صاف پتہ چلا کہ وہ ''وحدت ادیان'' کے قائل ہیں اور عرفان الٰہی کو اقرار ختم نبوت پر منحصر نہیں سمجھتے، البتہ کامل عرفان کے لیے حضور اکرم ﷺ سے وابستگی ضروری سمجھتے ہیں، دوسرے یہ کہ ظاہر سنت کو وہ ثانوی اور ضمنی حیثیت دیتے ہیں، تیسرے یہ کہ باوجود سلسلہ شاذلیہ سے متعلق ہونے کے وہ جوگ سے خاصے متاثر ہیں، بفحوائے فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، خیال آیا کہ آپ کو مارٹن لنگز اور ان کے پیر شواں صاحبان سے واقفیت ہوگی، اس لیے آپ سے معلوم کروں کہ ان سے متعلق جناب والا کی کیا رائے ہے، یہ اپنی اطلاع اور اطمینان کے لیے استفسار ہے۔

ایک اور زحمت یہ دینی ہے کہ مجھے اپنے شیخ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ایک سند حدیث نہایت معتبر ذریعہ سے ملی ہے جو انہوں نے ۱۰ رمحرم ۱۳۶۱ھ کو مدینہ طیبہ میں شیخ الاسلام الشیخ عبدالقادر توفیق الحلبی المدنی سے حاصل کی تھی، ان شیخ عبدالقادر مدنی سے اگر آں مخدوم واقف ہوں تو کسی قدر تعارف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

زحمت دہی پر معذرت خواہ ہوں

والسلام مع الاکرام
دعاخواہ
احقر
غلام محمد کان اللہ لہ

پس تحریر

سرکاری ملازمت سے علاحدگی پر سی پی برار سوسائٹی میں ایک مکان خرید لیا ہے۔ یہی موجودہ سکونت ہے، والسلام

مطبوعات جدیدہ

ربوا، زکوۃ اور ٹیکس: از مولانا ابوالجلال ندوی مرحوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد صفحات ۱۹۸، قیمت ۱۲۵/روپے پتہ: فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔

ایک عرصے سے ساری دنیا کا اقتصادی نظام، مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے تابع ہے، مغربی سرمایہ داری اور سرمایہ کاری نے عملاً دوسرے تمام ممالک کو غلام بنا دیا ہے، مسلمان ملک بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، ان ملکوں میں غریبی، مفلسی، بے روزگاری، استحصال، سیاسی بے چینی، بغاوت اور خوں ریزی کی وجہ بھی یہی ہے، مغربی سرمایہ داری اور اقتصادیات کی بنیاد سود پر ہے، اور سود کی نحوست و نجاست، اسلام میں ظاہر ہے، اسلام کے معاشی نظام خصوصاً غیر سودی اقتصادیات کی اہمیت کے متعلق علما اور مصنفین کی تحریریں وقتاً فوقتاً آتی رہتی ہیں، اس کتاب کا موضوع بھی یہی ہے، قریب چالیس سال پہلے پاکستان میں جدید تعلیم یافتہ ایک طبقے کی جانب سے موجودہ اقتصادی نظام کی وکالت زور شور سے کی گئی تھی، اس میں حکومت وقت کا ایما بھی شامل تھا، کتاب و سنت کی تعبیر و تشریح میں اقتضائے زمانہ کا لحاظ رکھنا نامانوس ہے، نہ غیر محمود، لیکن جب یہ کہا جائے کہ زکوۃ عبادت میں شامل ہی نہیں، وہ محض ٹیکس ہے، حکومت کی جانب سے عائد کردہ کوئی ٹیکس بھی اپنی ہیئت سالمہ کے لحاظ سے زکوۃ ہی کہلائے گا وغیرہ تو یہ تعبیر و تشریح کے حق کا غلط استعمال ہی کہا جائے گا، اس غلطی کی نشان دہی اور اس کے اثرات بد کی جانب جن علما نے توجہ دلائی ان میں زیر نظر کتاب کے مصنف اور فاضل جلیل بھی شامل تھے، انہوں نے ربوا، ربا ربیہ اور مرابحۃ پر مضمون لکھا، اس کے علاوہ غیر مسلم

ماہرین اقتصادیات سے مشورے اور ان کی رائے اور مصارف زکوۃ اور آئین میراث پر بھی اظہار خیال کیا، ان کی ان تحریروں کو ان کے علم و تحقیق کے ایک قدرداں ادارہ سویدا مطبوعات نے زیر نظر کتاب کی شکل میں شایع کر دیا ہے، ان متفرق تحریروں میں سرمایہ دارانہ سودی نظام کے خلاف کوئی لائحہ عمل یا تجویز تو نہیں، لیکن ربا کی حقیقت، قرآن مجید کی آیات سے جس طرح انہوں نے واضح کی ہے وہ نزول آیات میں ان کے فہم و بحث کی اعلیٰ مثال ہے، ربا اور ربوا، ربا اور زکوۃ اور زکوۃ اور صدقے کا فرق ان کی نظر اور فہم کی گہرائی کا شاہد ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ زکوۃ کا لفظ مکی اور مدنی دونوں عہد میں ملتا ہے، جب کہ صدقہ صرف مدنی سورتوں میں ملتا ہے، دولت مند کے اوپر واجب، حق محروم یا صدقہ واجبہ کو فقہاء نے زکوۃ کا نام دیا ہے لیکن مولانا مرحوم کے نزدیک زکوۃ وہ چیز ہے جو لوگوں کو دولت میں اضافے کے لیے دی جاتی تھی، اسی طرح ربا بین المسلم والعربی فی دار الحرب کے بارے میں ان کا یہ تفرد بھی قابل ذکر ہے کہ یہ عربی فقرہ دراصل یہودی فقرہ ہے، جو نہ معلوم کس طرح حدیث بن گیا، اس سلسلے میں ان کے لہجے میں یہ تلخی بھی آگئی کہ ہدایہ کی بدولت کابلی اور سرحدی پٹھانوں کا اخلاق بگڑ گیا ہے تاہم یہودی اور غیر یہودی ربا کے فرق میں ان کی رائے کی اہمیت کم نہیں، ان کی بعض رائیں بھی محل نظر ہیں مثلاً قرض حسن کی سنت کو از سر نو زندہ کیا جائے، اس کے لیے بعض ضروری مدوں کے لیے اہل وسعت بقدر امکان قرض حسن دیں، بہرحال ربا اور سود کے متعلق داد تحقیق دینے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ فکر انگیز ہے۔

حرفے چند: از پروفیسر اسلوب احمد انصاری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد صفحات ۴۳۲، قیمت ۳۰۰/روپے پتہ: یونی ورسل بک ہاؤس ۳، عبدالقادر مارکیٹ نزد شمشاد مارکیٹ، جیل روڈ، علی گڑھ۔

علی گڑھ کا ششماہی رسالہ نقد و نظر ادبی اور تنقیدی مضامین کے لیے ہمیشہ قابل قدر

رہا، اس کی وقعت میں اضافہ کی بڑی وجہ اس کے اداریے بھی رہے جو اردو رسائل و مجلات کے اداریوں سے مختلف و ممتاز اس لحاظ سے تھے کہ ان میں خالص ادبی اور تنقیدی مسائل کو فکر و اسلوب کی تازگی اور بلندی سے پیش کیا جاتا رہا، ان کے علاوہ جو وفیاتی تحریریں اس میں شامل رہیں عام تعزیتی تحریروں سے ان کا انداز بھی جدا رہا، یعنی مرحومین کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کے ساتھ ان کے کارناموں کا استقصا ہی نہیں بلکہ ان کا محاکمہ اس طرح ہے کہ اس میں خالص علمی و ذہنی مباحث کی فراوانی بھی ہے، اردو زبان کا رسم الخط، ترجمے کا فن، تنقید کی زبان، اسلوب بیان، ادبی فن پارے میں ڈھانچے یا ساخت کا تصور، ترسیل و ابلاغ کی اہمیت، خود نوشت سوانح عمریاں جیسے مسائل و موضوعات پر ان اداریوں میں جس خوبی سے اظہار خیال کیا گیا ہے اس سے یہ اداریے سے کہیں زیادہ مقالے نظر آتے ہیں، فاضل مولف نے خود بھی ان کی اہمیت کا اظہار کیا ہے، وہ اردو کی طرح انگریزی ادب بلکہ مغربی تنقید کے نباض و واقف اسرار ہیں، ادبیات مغرب کے مداح و معترف ہیں لیکن اس قبیلے کے کچھ اور نقادوں سے وہ یوں مختلف ہیں کہ مغرب کے خیالات سے استفادے اور اس کی ثروت سے اردو کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنے کے عمل میں مدہوش و مرعوب نہیں ہوتے، حالی، اقبال، رشید احمد صدیقی، خواجہ منظور، قرۃ العین حیدر کے مطالعے اور تجزیے میں مغرب کے ادیب و شاعر و نقاد ان کے آس پاس رہتے ہوئے بھی ان کے قلم کے توازن اور اسلوب کی صداقت میں حارج نہیں ہوتے، ایک کامیاب معلم و استاد کے مانند وہ اپنے قاری کو باخبر کرتے جاتے ہیں، وہ چونکہ اس نکتے سے واقف ہیں کہ ادبی تنقید نگاری کے لیے جس امتیاز کو صبر، سلیقے اور احتیاط سے بروئے کار لانا ضروری ہے، اس کے لیے ذہانت اور آگہی اتنی ہی ضروری ہے جتنا ذوق و وجدان، اس لیے ان کے تنقیدی تبصروں میں اس خوبی کا پایا جانا حیرت کی بات نہیں، اردو کی جدید تنقید کی بے راہ روی یا کم سے کم بے سمتی کا شکوہ جن کو ہے وہ غالباً اسی وجہ سے کہ معتبر ادب کی تشکیل میں جس طرح بیرون سے اندرون کا سفر

ضروری ہے، تنقید بھی اسی انجذاب و اہتمام کی متقاضی ہے، فاضل مصنف کی تحریریں عموماً فکر انگیز ہوتی ہیں، لیکن مباحث میں خصوصاً تنقیدی مسائل میں ان کا اسلوب شاید مشرقی ادبیات کے طالب علموں کے لیے اور شفافیت و شگفتگی چاہتا ہے، مثلاً یہ عبارت ملاحظہ ہو ”زندگی کے (؟) ہر تصویر کے پس پشت ایک رویائے حیات ضرور ہوتا ہے، ادب زندگی نہیں ہے بلکہ یہ اس کی ایسی تقلیب یعنی ٹرانفارمیشن سے عبارت ہے جو فکر، جذبے اور تخیل کے پر پیچ ردعمل کے ذریعے وجود میں لائی جاتی ہے، ادب کی کائنات میں محسوس زندگی یعنی فیلٹ لائف داخل ہوتی ہے“ ترسیل کی تکلیف کا گلہ کیا یہاں نامناسب ہے؟ قارئین کے فہم و ادراک کی سطح اور ان مخاطبین اصلی کی ضرورت کے احساس کی اہمیت ان سے مخفی نہیں، اسٹائل کی بحث میں اس کا اندازہ ہوتا ہے، مولف کے نزدیک ان کے دور میں سب سے اچھی نثر مولوی عبدالحق نے لکھی اور سب سے ناقص کلیم الدین احمد نے، اس قسم کے محاکموں میں ذاتی اور ذوقی خیال کو حق ترجیح حاصل ہے لیکن اس میں قاری کے لیے اختلاف کی بھی بڑی گنجایش ہے، مثلاً اس رائے کی تائید بہت دشوار ہے کہ ”مولانا دریابادی کی تحریر سے لطف اندوز ہونے میں قاری کو جھٹکے کافی سہنے پڑتے ہیں“ خود نوشت سوانح عمریوں پر مقالہ نما اداریہ اس مجموعہ کا عطر ہے، جس میں یادوں کی بارات کو غلیظ، مکروہ اور لن ترانیوں سے بھری ہوئی ایسی کتاب بتایا گیا کہ اس سے بڑھ کر کسی ناگوار کتاب کا تصور محال ہے، دوسری طرف مشتاق احمد یوسفی کی زرگزشت کے متعلق کہا گیا ہے کہ ”جیسی توانا، حساس اور فکر و تخیل سے دمکتی ہوئی نثر یوسفی نے لکھی ہے، شاید اس صدی میں کسی اور نے نہیں لکھی“ پروفیسر کلیم الدین، مسعود حسین خاں، آل احمد سرور، مولانا آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین وہ شخصیتیں ہیں جن کے متعلق فاضل مصنف کی نظر ایک خاص زاویہ رکھتی ہے، اور ان کی بیشتر تحریروں میں اپنے وجود کا اظہار کرتی رہتی ہے، حرفے چند بھی اس سے مبرا نہیں، کمپوزنگ کی غلطیاں جا بہ جا ہیں، ایک جگہ بجائے تعزیتی کے تعزیراتی کا سہو بھی ہے لیکن کلیم الدین احمد کے بارے میں شاید یہ سہو بھی صحیح ہے، فہرست

میں صرف ادارہ یہ نمبر اور سن کی تفصیل ہے، عنوان، خصوصاً تعزیتی اداریوں کے دیے جاتے تو یہ فہرست زیادہ کارآمد ہوتی۔

قرآن کی قسموں کا ادبی اور سائنٹفک جائزہ: از ڈاکٹر مرضیہ عارف، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۴۸، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: ۲۰-گھائی بھر بھونجا روڈ تلیا گھاٹ بھوپال۔

کلام الٰہی کے بے نظیر اسالیب بیان میں ایک انداز، قسمیہ کلام کا بھی ہے، مفسرین نے اس پہلو کی اہمیت کی عموماً وضاحت کی، ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی نے جب قرآن کی قسموں پر بحث کی تو علامہ شبلی نے الندوہ میں ایک خاص مضمون اس کے تعارف میں لکھا کہ قرآن مجید میں خدا نے قسمیں کیوں کھائیں، اور اس مضمون میں انہوں نے مولانا فراہی کی تحقیقات کا خلاصہ پیش کردیا، اصلاً یہ موضوع عربی زبان اور خود قرآن مجید کے گہرے اور وسیع مطالعہ کا طالب ہے، زیر نظر کتاب کی مصنفہ واقعی قابل داد و تحسین ہیں کہ انہوں نے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لیے ایک مشکل موضوع کا انتخاب کیا اور قرآن مجید میں موجود تمام قسموں کی مذہبی، تاریخی، اسلوبی اہمیت کے ساتھ ان کی سائنسی اہمیت کو بھی تحقیق و جامعیت سے بیان ہی نہیں کیا بلکہ بقول ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی "انہوں نے قرآن پاک کی آیات قسم کی ایک جامع اور قابل اعتماد تفسیر مرتب کردی،" ان کے ماخذ بھی سب کے سب بلند پایہ اور معتبر ہیں، اس لیے ان کی توضیحات بھی متوازن ہیں، سائنٹفک حیثیت سے اس مطالعہ میں لغزش کا احتمال تھا لیکن وہ اس مقام سے بھی بہ آسانی گزر گئیں، ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی اصل روح کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، اس جامع اور محققانہ کتاب کے لیے اور قرآن مجید کی خدمت کی سعادت کے لیے وہ مستحق تبریک ہیں، البتہ بعض آیتوں کی غلط کتابت کی تصحیح آیندہ اڈیشن میں ہونا ضروری ہے، کتابیات کا حصہ بھی

ہونا چاہیے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی، خدمات و آثار: مرتبہ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت عمدہ، صفحات ۴۰۸، قیمت ۲۰۰ر روپے پتہ: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، مسجد کاکانگر نیر این، ڈی، ایم، سی پرائمری اسکول، کاکانگر، نئی دہلی۔ ۳

دو سال قبل ۲۰۰۵ء میں شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے مفسر قرآن اور صاحب طرز ادیب مولانا عبدالماجد دریابادی کی یاد میں ایک مجلس علمی کا انعقاد کیا گیا، شاہ دہلوی سے منسوب اس ادارے کی جانب سے مولانا مرحوم کی یاد کے لیے وجہ جواز یہ تھی کہ شاہ دہلوی اور ان کے خانوادے کا تعلق قرآن مجید اور اردو زبان دونوں کے فروغ وارتقا سے رہا، یہ نسبتوں کی برکت تھی کہ ایک روزہ سیمینار جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے تشنہ نہیں رہا، قریب چونتیس مقالے اس کے لیے تیار ہوئے، کچھ پڑھے نہیں جاسکے، مولانا سید محمد رابع ندوی، مولانا انظر شاہ کشمیری، ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی کی تقریریں بھی ہوئی، مولانا دریابادی کی شخصیت اور ان کی علمی و ادبی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے، مقالات کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ممتاز پہلو پر اظہار خیال کیا گیا، مولانا سعید الاعظمی، پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی، مولانا ولی رحمانی، ڈاکٹر شمس بدایونی، ڈاکٹر سید داؤد اشرف، اور دوسرے اہل قلم اور مولانا دریابادی کے اعزہ ڈاکٹر ہاشم قدوائی، ڈاکٹر سلیم قدوائی، ڈاکٹر شافع قدوائی اور مولانا مرحوم کی صاحبزادی زہیرہ قدوائی مرحومہ کے مضامین کی موجودگی سے اس سیمینار کو یک گونہ امتیاز بھی حاصل ہوا، زیر نظر کتاب میں یہ تمام مقالات سلیقے سے یکجا کیے گئے ہیں، سیمینار اور اس مجموعہ مقالات کی اشاعت میں لائق مرتب کی جد و جہد بھی لائق تعریف ہے، ان کے مفصل مضمون کے علاوہ ان کا مقدمہ بھی خوب ہے، اس سے پہلے لکھنؤ کے فروغ اردو اور نیا دور نے مولانا مرحوم کی حیات و خدمات پر عمدہ نمبر شائع کیے، یہ مجموعہ اس سلسلہ میں ایک بہتر اضافہ ہے۔

شعرائے پونہ، ایک تحقیق: از جناب نذیر فتح پوری، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ وطباعت، مجلد صفحات ۴۰۷، قیمت ۳۰۰ روپے پتہ: حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشنل ٹرسٹ، اعظم کیمپس، کے، بی ہدایت اللہ روڈ، کیمپ پونے، مہاراشٹر۔

مہاراشٹر کا شہر پونا یا پونے گویا ممبئی صغیر ہے، تعلیم، تجارت اور جدید صنعتی ترقی کے لحاظ سے اس کی شہرت ہے، تاریخی لحاظ سے شاید اس کا ماضی ممبئی سے زیادہ روشن ہے، کبھی یہاں مراٹھا پیشواؤں کی حکومت تھی، جن کی درباری یا سرکاری زبان فارسی تھی، آج بھی مراٹھی زبان میں فارسی الفاظ کا وجود اسی دور کی نشانی ہے، اردو بھی یہاں کے لیے نامانوس نہیں، قریب ڈیڑھ سو سال پہلے یہاں بہار دانش کا اردو ترجمہ کیا گیا تھا، بعد میں یہاں سے اردو کے اخبار اور رسالے بھی شایع ہوئے، اور اس کتاب کے مصنف کے نزدیک یہ کبھی اردو زبان وادب کا گہوارہ بھی تھا، غالب کے ایک شاگرد کا تعلق بھی اس شہر سے تھا، مشہور علما وادبا کے مسکن ہونے کا شرف بھی اس کو حاصل رہا، مولانا سید سلیمان ندوی اسی شہر کے ایک کالج میں استاد تھے، دارالمصنفین وہ وہیں سے آئے، ضرورت تھی کہ اس شہر کے پرفخر ماضی کی یادوں کو حال کے سلسلے سے جوڑا جائے، اس ضرورت کو زیر نظر کتاب کی شکل میں اس کے فاضل مصنف نے خوب پورا کیا، وہ ایک عرصے سے سرزمین پونہ سے ایک رسالہ اسباق کے نام سے نکالتے ہیں، وہاں کے ادبی حلقوں میں بقول ملک تاسے ان کا نام "ہاؤس ہولڈ" ہے اور خود ان کے الفاظ میں یہ شہر عروس دکن کے ساتھ ان کے غموں کا امین بھی ہے، اس محبت وتعلق کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے پونے کے شعرا کا ایک مکمل تذکرہ مرتب کردیا، ان میں حسرت، جگر، عدم، جوش، ساغر، اختر، محوی، جعفری اور کیفی وغیرہ شعرا کا ذکر مہمان شعرا کے عنوان سے ہے، بعد کے ابواب میں پونے کے موجودہ اور مرحوم سیکڑوں شاعروں کا مبسوط ذکر اور ان کی شاعری کا نمونہ اور اس پر جامع تبصرہ بھی ہے، اردو ماحول سے متاثر دوسری زبانوں کے بعض شعرا کا تعارف بھی ہے، اس سے انکار نہیں کہ شہر پونہ کے تین سو سالہ شعری سفر کی یہ تحقیقی داستان ہے، فاضل مرتب اس محنت وکاوش تحقیق اور دیدہ ریزی کے لیے قابل مبارکباد ہیں۔

ع۔ص

☆☆☆☆

سلسلہ تاریخ اسلام و قرآنیات و اہم عصری مسائل

کتاب	مصنف	Pages	Rs
۱۔ تاریخ اسلام اول (عہد رسالت)	شاہ معین الدین احمد ندوی	346	90/-
۲۔ تاریخ اسلام دوم (بنو امیہ)	شاہ معین الدین احمد ندوی	370	90/-
۳۔ تاریخ اسلام سوم (بنو عباس)	شاہ معین الدین احمد ندوی	472	115/-
۴۔ تاریخ اسلام چہارم (بنو عباس)	شاہ معین الدین احمد ندوی	464	140/-
۵۔ تاریخ دولت عثمانیہ اول	محمد عزیر (علیگ)	510	110/-
۶۔ تاریخ دولت عثمانیہ دوم	محمد عزیر (علیگ)	480	105/-
۷۔ تاریخ صقلیہ اول	سید ریاست علی ندوی	550	90/-
۸۔ تاریخ صقلیہ دوم	سید ریاست علی ندوی	480	80/-
۹۔ تاریخ اندلس اول (مجلد)	سید ریاست علی ندوی	336	110/-
۱۰۔ ہماری بادشاہی	عبدالسلام قدوائی ندوی	192	40/-
۱۱۔ صلیبی جنگ	سید صباح الدین عبدالرحمن	46	15/-
۱۲۔ بہار خواتین اسلام	مولانا سید سلیمان ندویؒ	57	25/-
۱۳۔ اسلام میں مذہبی رواداری	سید صباح الدین عبدالرحمن	352	65/-

قرآنیات

کتاب	مصنف	Pages	Rs
۱۔ تاریخ ارض القرآن (اول و دوم)	مولانا سید سلیمان ندوی	454	130/-
۲۔ تعلیم القرآن	محمد اویس نگرامی ندوی	156	25/-
۳۔ جمع تدوین قرآن	سید صدیق حسن (آئی سی ایس)	90	30/-

اہم عصری مسائل

کتاب	مصنف	Pages	Rs
۔ بابری مسجد	ادارہ	172	30/-
۔ مطلقہ عورت اور نان ونفقہ	حافظ عمیر الصدیق دریابادی ندوی	92	20/-